وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

-: مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶، کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور-۱۴ - فون: ۸۵۲۶۱۱، ۸۵۲۶۸۳

سالانہ زر معاونت: ۲۰/- روپے ، اس شمارے کی قیمت ۳/-

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ **میثاق** لاہور

جلد ۳۰ | ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ / اکتوبر و نومبر ۱۹۸۱ء | عدد ۱۰-۱۱

مشمولات

	[illegible]	صاحبِ مضمون	صفحہ
[illegible]	[illegible]	جمیل الرحمٰن	۱
[illegible]	ہجری سال نو مبارک (ایک خطاب)	ڈاکٹر اسرار احمد	۳
۳	رفاقت، یعنی فیلوشپ کی اسکیم	چودھری نصیر احمد ورک	۱۱
۴	نشر القرآن (ریڈیائی تقاریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	۲۲
۵	تعارفِ الکتٰب (چھٹی قسط)	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۷
۶	اسلام اور حقوقِ اطفال (ساتویں و آخری قسط)	غازی عزیر	۵۲
۷	آرمی برن ہال کالج ایبٹ آباد میں ایک ایمان افروز تقریب کی روداد	بشیر احمد سوز	۵۹
۸	ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن (رپورتاژ) چوتھی قسط	قاضی عبدالقادر	۷۶

مرتب :- (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع :- چودھری رشید احمد

مطبع :- مکتبہ جدید پریس - شارع فاطمہ جناح لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؑ

پندرھویں ہجری کے دوسرے سال کے آغاز کے لئے ہدیہ تبریک کے ساتھ 'میثاق' کا ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق اکتوبر و نومبر ۸۱ کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس تاخیر اور دو مہینوں کے شماروں کی مشترکہ پیش کش کے متعلق عذرات پیش کرتے ہوئے ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام دعوتِ وتبلیغ کا کام جس سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اسی رفتار سے زیادہ سے زیادہ مردانِ کار کی ضرورت کے تقاضے سامنے آرہے ہیں۔ عرصہ پندرہ سولہ سال سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رجوع الی القرآن کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور سات سے اپنا پروفیشن بالکلیہ ترک کر کے ہمہ وقت اسی کام میں اپنی توانائیاں اور قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ الحمد للہ اس عظیم الشان کام میں تعاون کرنے والے رفقائے کار ڈاکٹر صاحب کو ملتے رہے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر وہ حضرات تھے۔ جو اپنی معاش کی مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنا اکثر فاضل وقت خالص رضائے الٰہی کے لئے بغیر کسی مشاہرے کے اس کام میں لگاتے رہے ہیں۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب نے تقریباً دو سال ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اپنا پورا وقت دیا لیکن تقریباً ڈیڑھ سال قبل وہ عارضہ قلب میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے وہ مجبوراً اپنا پورا وقت انجمن کو نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے کہ اس علالت کے دوران بھی وہ انجمن کے کاموں میں امکانی حد تک دلچسپی بھی لیتے رہے اور تفویض کردہ امور بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ بایں ہمہ ایسے کارکنوں کی شدید ضرورت تھی جو ہمہ وقت اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ محترم قاضی عبدالقادر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار اور اپنی نہایت اعلیٰ ملازمت سے سبکدوش ہو کر خود کو ہمہ وقت و ہمہ تن اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ چنانچہ ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے انہوں نے

تین ماہ قبل اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ ملک بشیر صاحب تعمیرات کے نگران ہیں اور چند ضروری کاموں میں وہ صدر مؤسس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں چند دیگر رفقاء بھی اپنا کافی وقت دیتے ہیں لیکن پھر بھی کام کی وسعت کے لحاظ سے ان مردانِ کار کی کمی موجود ہے جو ہمہ وقت اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اس کمی سے میثاق کی مقررہ تاریخ پر باقاعدگی سے اشاعت شدید متاثر ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے اور جلد ہی ایسے مردانِ کار میسر آجائیں جو انجمن کے دیگر کاموں خاص طور پر "میثاق" کو صحیح طور پر ایک معیاری جریدہ بنانے میں ممد و معاون ہو سکیں۔

سالِ رواں میں اکثر — دو ماہ کے مشترکہ شمارے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ضخامت کے لحاظ سے ہمارے مستقل سالانہ خریداروں کو شکایت کا موقع نہ ملے لہٰذا ان مشترکہ شماروں میں اکثر و بیشتر مقررہ ضخامت ۶۴ صفحات سے دوگنی سے بھی زیادہ ضخامت کے پرچے پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ صرف موجودہ شمارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن مجموعی طور پر ان شاء اللہ سال بھر میں خریداروں کو مقررہ صفحات سے زیادہ ہی ضخامت پر مشتمل شمارے پہنچیں گے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوتی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کا کچھ اجمالی ذکر ان کے اپنے قلم سے گزشتہ شمارے کے عرضِ احوال میں قارئین کی نظر سے گزر چکا ہوگا۔ عیدالفطر کے بعد سے اب تک یعنی ان تین ماہ کے عرصے میں ڈاکٹر صاحب کی دعوتی سرگرمیوں کی ایک روداد لکھنے کا ارادہ تھا۔ لیکن چونکہ اس شمارے میں رودادوں کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ لہٰذا یہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔ اللہ کو منظور ہوا تو یہ روداد کسی آئندہ شمارے میں پیش کی جائیگی۔

یہ مشترکہ شمارہ ہجری سال کے لحاظ سے ۱۴۰۱ھ کا آخری اور ۱۴۰۲ھ کا پہلا شمارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ادارے کی اس کوشش کو

(بقیہ صلا پر)

ڈاکٹر اسرار احمد

ہجری سالِ نو مبارک

۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جمعہ کا دن اور محرّم الحرام ۱۴۰۲ھ کی یکم تاریخ تھی - اس روز مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاھور میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطابِ جمعہ میں جو موضوع گذشتہ دو ماہ سے چل رہا ہے۔ (یعنی، نظام سیاست وحکومت سے متعلق قرآنی تعلیمات) اُس پر گفتگو سے قبل نئی ہجری سال کے آغاز کی مناسبت سے جو کچھ فرمایا وہ درج ذیل ہے (مرتّب)

نحمدہ وَ نصلّی علیٰ رسولہ الکریم - امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہُ عزّ وجلّ فی سُورۃ البقرۃ :- وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ (۱۵۴)

وقال تبارک وتعالےٰ فی سُورۃ آلِ عمران :- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ (۱۶۹)

امابعد:- رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ -

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ

آمین یارَبَّ العٰلمین ۝

حضرات! آج یکم محرم الحرام سن ۱۴۰۲ ہجری ہے - گویا آج پندرھویں صدی کے دوسرے سال کا پہلا دن ہے - لہٰذا سب سے پہلے تو میں اسلامی تقویم کے اعتبار سے اس نئے سال کی آمد پر آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ سال ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا سال ثابت ہو - یہی وجہ ہے کہ میں نے آغاز میں وہ دُعاء پڑھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے نئے چاند کے طلوع ہونے پر پڑھا کرتے تھے یعنی "اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ" - جس کے آخر میں آں حضرتؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے "رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ - ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ - ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ" - اس دُعاء کے تین حصے ہیں - اصل دعاء تو پہلا حصہ ہے کہ "اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع فرمایا" دوسرے حصے میں چاند سے خطاب ہے - اس میں دراصل اُن مشرکانہ اوہام اور عقائد کی نفی اور ابطال ہے جو چاند، سورج اور اجرامِ فلکیہ کے بارے میں بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں -

لہٰذا آں حضرتؐ یہ فرمایا کرتے تھے - "رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ" یعنی "میرا رب بھی اللہ ہے اور اے چاند تیرا ربّ بھی اللہ ہے" - تیسرا حصہ ایک نوید اور خوشخبری بھی ہے اور اس میں ایک دُعائیہ پہلو بھی ہے - "ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ" "یہ ہلال جو طلوع ہوا ہے یہ رشد اور خیر کا ہلال ہے" یہاں "ہے" بھی ترجمہ ہوسکتا ہے اور "ہو" بھی ترجمہ ہوسکتا ہے - اگر اوّل الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ نوید و خوشخبری ہے اور اگر موخر الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ دُعاء، ایک تمنّا اور ایک خواہش کا اظہار ہے - کل جو ہلال طلوع ہوا ہے اس سے صرف ایک نیا مہینہ ہی شروع نہیں ہوا بلکہ نیا اسلامی و ہجری سال بھی شروع ہوا ہے لہٰذا ہمیں یہ دُعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ اس سال کو نوعِ انسانی کے حق میں بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے حق میں بالخصوص اور اس خطۂ ارضی کے حق میں جو تو نے اسلام کے نام پر ہمیں عطا فرمایا تھا - اور جو مملکتِ خداداد پاکستان، کہلاتا ہے خاص الخاص طریق پر اپنے فضل اور اپنی رحمت سے امن و سلامتی کا سال بنا

اور اس سال میں ہمارے ایمان اور اسلام میں حقیقی رنگ پیدا فرما۔ میں نے مزید یہ دُعا بھی کی ہے کہ اس سال کے دوران تیرے علم کامل میں جن کی وفات کا وقت آرہا ہو اے اللہ! ان کو ایمان پر وفات دیجیو اور جن کے لئے تیرے علمِ ازلی میں مزید مہلتِ عمر طے ہو ان کو اسلام پر قائم رکھیو۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اس موقع پر ایک جملہ معترضہ کے طور پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ محرم الحرام کے مہینے کو ہم نے ایک مخصوص مکتبِ فکر کے زیرِ اثر بلا سبب اور قطعی نامناسب طور پر رنج و غم اور حزن والم کا مہینہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ کسی بھی اعتبار سے یہ مہینہ ہمارے لئے رنج و غم کا مہینہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سال کا کوئی مہینہ بھی دینی لحاظ سے رنج والم کا مہینہ نہیں ہے۔ یوم عاشورہ (۱۰ محرم الحرام) کی جو اہمیت ہمارے ہاں ہے۔ اس میں ہمارے دینی تصوّرات و عقائد کے لحاظ سے عظمت کا پہلو ہے۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث صحیحہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ نبی اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم اس دن جو روزہ رکھتے تھے تو اس کی کوئی بنیاد اور تعلق حادثہ کربلا سے نہیں ہے۔ یہ حادثہ تو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی الرفیق الاعلیٰ کی جانب مراجعت کے نصف صدی سے بھی زائد بعد پیش آیا ہے۔ لہٰذا دینی لحاظ سے اس حادثے کا یوم عاشورہ سے کسی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صوم عاشورہ کے متعلق جو متفق علیہ حدیث ملتی ہے یعنی سند کے اعتبار سے جس کی صحت پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر محدّثین اتفاق کر رہے ہوں اور جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ جو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ دونوں کے چچا زاد بھائی ہیں اور جو گویا حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے رشتے کے چچا بھی ہیں اور نانا بھی۔ وہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب آن حضرتؐ مدینہ منوّرہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ کے یہود ۱۰ محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ "تم یہ روزہ کیوں رکھتے

ہو"! تو انہوں نے بتایا کہ "یہ دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے، اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی تھی اور فرعون اور اس کے اس لشکر کو جو تعاقب میں تھا، غرق کیا تھا۔ لہٰذا ہم شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں"۔ اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تمہاری نسبت (حضرت) موسیٰؑ کے ہم زیادہ حق دار ہیں"۔ یعنی یہود نے تو اس کو ایک قومی دن کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ یہ تو دینِ اسلام کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اور دینِ اسلام کی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ اسی موقع پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ "ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں۔" چنانچہ اس وقت سے آں جنابؐ نے دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا شروع فرما دیا۔

ویسے بھی اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارے دین میں 'شہادت' کا معاملہ کوئی رنج و غم والی بات ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک مردِ مومن کے لئے فوز و مرام اور فلاح و کامرانی کا بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ دلیل کیلئے سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۴ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ "یعنی جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (تو حقیقت میں) زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں ہوتا"۔ اور سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۶۹ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝" یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مُردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں" کو پیشِ نظر رکھیے۔ ان مقتولین کی برزخی زندگی میں حیات اور اس میں رزق پانے کی کیفیات امورِ غیب سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اس کا کوئی تصوّر و شعور اس عالمِ ناسوتی میں ہمارے لئے ممکن نہیں۔

شہادت فی سبیل اللہ وہ سعادتِ عظمیٰ اور چوٹی کا وہ عمل ہے کہ جس کے لئے انبیاء و رسول علیہم السلام تمنّا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں منقول ہیں - ایک یہ کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ - اور دوسری یہ کہ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ -

مزید براں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی احادیث میں منقول ہے:
"وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاُقْتَل ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَل —" اس (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے - میری آرزو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں (اور پھر مجھے زندہ کیا جائے) اور پھر میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں -" یہ سنّت رہی ہے کہ رسول قتل نہیں ہوتے چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسُول کی مغلوبیت کا پہلو نکلتا ہے - لیکن اس سے مرتبہ شہادت کے رفیع و مہتم بالشان ہونے کا اندازہ لگا لیجئے — علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجئے کہ "جس مسلمان کی موت اس حال میں آئی کہ اس کے دل میں راہ حق میں سر کٹا کر سرخرو ہونے کی تمنا و آرزو نہ ہو، اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوئی" - پس شہادت ہرگز رنج والم سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے -

اگر شہادت رنج و غم اور الم و ماتم والی شے ہوتی تو دورِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گذرا ہو جس میں کوئی نہ کوئی عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو — اگر شہادت میں رنج و غم اور ماتم کا پہلو تلاش کریں تو حضرت سمیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی شہادت کا دن بھی ماتم کے دن کے طور پر منانا ہوگا - یہ بڑی عظیم شہادت ہے - توحید کے لئے یہ پہلا خون بہا ہے - جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ زار ہوئی ہے اور کس بہیمانہ طریقے پر کہ ابوجہل نے تاک کر اندامِ نہانی پر نیزہ مارا ہے جو پشت کے پار ہو گیا ہے - پھر ان کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عظیم شہادت ہے - جس کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ ابوجہل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں نے حضرت یاسرؓ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر رسیوں سے باندھے پھر چار سمت میں چار اونٹ کھڑے کر کے یہ رسیاں ان اونٹوں کی ٹانگوں سے باندھ کر ان کو

ہانک دیا گیا اور حضرت یاسرؓ کے جسم کے پرخچے اڑ گئے - یہ شوہر اور بیوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں اس ظالمانہ طور پر شہید کئے گئے — ان کی مظلومانہ شہادت کے واقعات ایک حساس دل کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ اگر ہمیں سوگ اور ماتم کا دن منانا ہوتا تو ان کا مناتے! اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنیاد پر شہادت کا دن نوحہ دگریہ اور ماتم کا کوئی پہلو رکھتا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا دن اس کا کہیں زیادہ مستحق ہوگا کہ اسے سوگ کا دن منایا جائے!! جن کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے تہرے بلکہ چوہرے رشتے ہیں - چنانچہ چچا بھتیجے کا رشتہ بھی ہے - خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں عرب میں رضاعت کا رشتہ بالکل خونی رشتے کے برابر سمجھا جاتا تھا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کی حرمت جس طرح رحم اور خون کے رشتوں کی بنیاد پہ ہے اسی طرح رضاعت کی بنیاد پر بھی ہے - پھر ساتھ کے کھیلے ہوئے ہمجولی ہیں۔ مزید اضافہ کیجئے کہ نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک کے مطابق اسد اللہ بھی ہیں اور اسدِ رسولہٖ بھی ہیں — پھر نعش مبارک کا حال یہ ہے کہ اعضا بریدہ (مثلہ شدہ) ہے شکم چاک ہے - کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے - اب اگر ہر سال سوگ کا دن منایا جاتا اور ماتم کیا جاتا تو ان کی شہادت کا کیا جاتا!!! پھر دیکھئے کہ حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب حضرت عبداللہ ابن رواحہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور بے شمار دوسرے جان نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دورِ نبوت میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے ہیں۔ سوگ کا دن منایا جاتا تو ان کا منایا جاتا — لیکن رنج و غم کی بات کون سی ہے!! - اسلام کی تاریخ کا کون سا دور ہے جو ان شہادتوں اور ان قربانیوں سے خالی ہو - اسلام کے گلشن میں ہر چہار طرف یہ پھول کھلے ہوئے ہیں — پھر غور فرمایئے کہ اسلامی تقویم کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام تو یہ ایک عظیم شہادت کا دن ہے - یعنی دوسرے خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت کا دن یکم محرم الحرام

ہے۔ وہ عمرؓ جن کے متعلق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے"۔ اگر رنج و غم کے اظہار کا مسئلہ ہوتا اور اگر سوگ کا دن منانے کا معاملہ ہوتا تو آج کے دن ہوتا۔ حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ۲۸، ذی الحجہ کو ہوا تھا جس میں آں جنابؓ مجروح ہوئے تھے اور معتبر روایات کے مطابق ان کی وفات یکم محرم الحرام کو ہوئی تھی۔ پھر ۱۸، ذی الحجہ کو تیسرے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد انتہائی مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے۔ جن کی شہادت کے نتیجے میں مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوئے۔ اور اُمت میں ایسا تفرقہ پڑا کہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو اس "شہید مظلوم" کی شہادت کے دن کو منایا جاتا۔ پھر ۲۱، رمضان المبارک کو اسد اللہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضورؐ کے چچیرے بھائی، آپؐ کے داماد، چوتھے خلیفۂ راشد شہید کر دیئے گئے جو حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے والد ماجد بھی ہیں۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو ایک مخصوص مکتب فکر کے افراد کے بجائے پوری اُمت آں جنابؓ کی شہادت کے دن سوگ مناتی۔ اگر سوگ کے دن منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتایئے کون کون سے دن سوگ منایا جائے گا! سال کا کون سا دن ہوگا جو کسی نہ کسی عظیم شخصیت اور اولیاءاللہ کی شہادت کا یا وفات کا دن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دین میں سوگ اور ماتم اور ان کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس گھر میں کسی کی وفات ہوئی ہو تو سوگ کو کیفیت کی زیادہ سے زیادہ تین دن کے لئے اجازت ہے۔ اُس میں بھی نوحہ گریہ اور سینہ کوبی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ باقی رہا یہ کہ ان میں سے جنہوں نے بھی اللہ کی راہ میں قربانیاں دی ہیں اور حق و صداقت کے لئے اپنی جانیں دی ہیں اس کی بنیاد پر ان کا بہت ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ لیکن نہ دن اور یادگار منانا ہمارے دین کے مطابق ہے اور نہ یہ کوئی رنج و الم اور غم و حزن کا معاملہ ہے اور نہ ہر سال سوگ اور ماتم کرنا دین سے کوئی مناسبت

رکھتا ہے۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے صوفیا کے ہاں موت کو ایک محبوب اور محب کی ملاقات کا وقت تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہ جو لفظ 'عرس' رائج ہے تو اس کی اصل 'عروسی' ہے۔ جیسے 'عروسی' (شادی) ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے ویسے ہی موت کسی مردِ مومن کے لئے کسی رنج وغم کا موقع ہے ہی نہیں، چاہے وہ طبعی ہو چاہے قتل کی صورت میں ہو۔ یہ تو درحقیقت ایک محبوب اور محب کی ملاقات ہے اس پہلو سے علامہ اقبال کا وہ شعر ذہن میں رکھیئے کہ ؎

"نشانِ مردِ مومن با تو گویم ——— چوں مرگ آید تبسم برلب اوست!"

تو تبسم خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی کے موقع پر۔ پس یہ سوگ اور ماتم کے دن منانا قطعًا ہمارے دین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں یہ غلط رواج چلا آرہا ہے کہ محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے میں شادیاں نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کے آخری عشرے میں شادیوں کا ایک طوفان آجاتا ہے۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ امسال ذی الحجہ کے آخری دنوں میں لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں شادیاں انجام پائی ہیں۔ آخر ہم نے محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے کو شادی بیاہ کی تقریب کے لئے حرام یا منحوس کیوں سمجھ لیا ہے!! ۔ چونکہ میرے نزدیک ان غلط رواجات و روایات کو توڑنا اور غیر اسلامی تصوّرات کو ختم کی کوشش کرنا بھی ایک نوع کا جہاد ہے۔ لہٰذا نوٹ فرمالیجئے کہ اسی ماہ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی ۷ تاریخ کو بعد نماز مغرب ان شاء اللہ میرے دوسرے بچے عاکف سعید سلمہ کا عقدِ نکاح مسنونہ جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہوگا۔ جس میں شمولیت کی میں آپ تمام حضرات کو دعوت دیتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری اور دعائے خیر میں شرکت میرے لئے باعثِ مسرت و ممنونیت ہوگی۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تحریکِ رجوع اِلیٰ القرآن کا مرحلۂ ثانی

قرآن اکیڈمی

میں "رفاقت" یعنی "فیلوشپ" کی اسکیم کا اجراء

زیرِ اہتمام **مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**

منظور شدہ ——— مجلس منتظمہ

مرتبہ :- **چوہدری نصیر احمد ورک** (معتمد)

"مرکزی انجمن خُدام القرآن لاہور" کے صدر مؤسّس ڈاکٹر اسرار احمد کی وہ تحریر جو بعد میں "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں طبع ہوئی (اور جس کے ابتک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) اوّلاً انجمن کی تأسیس سے پانچ سال قبل جون ۱۹۶۷ء میں ماہنامہ "میثاق" لاہور کے ادارتی صفحات میں شائع ہوئی تھی ـــ اس میں موصوف نے اپنے فہم کی حد تک اس امر کا جائزہ لیا تھا کہ موجودہ دُنیا میں اسلام اور مسلمان کس حال میں ہیں اور یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور اُمّتِ مسلمہ کی تعمیرِ نو کے لئے ابتک کیا کچھ ہو چکا ہے، فی الوقت کیا ہو رہا ہے اور کیا کرنا باقی ہے ـــ ساتھ ہی اپنے تجزیئے اور تشخیص کی بنیاد پر "احیائے اسلام" کے لئے ایک اساسی لائحہ عمل بھی پیش کیا تھا اور اس کے

ضمن میں فوری اور اوّلین اقدام کے طور پر 'قرآن اکیڈمی' کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب پر اللہ تعالےٰ کا بڑا فضل ہوا کہ انہوں نے اس لائحۂ عمل کو پیش کرنے کے فوراً بعد تن تنہا عملی جدّوجہد کا آغاز بھی ـــ کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف جانب لاہور میں متعدد حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن قائم کیے، دوسری جانب 'دارالاشاعت الاسلامیہ' کے تحت علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا آغاز کر دیا۔ اور تیسری جانب "سلسلۂ اشاعت قرآن اکیڈمی" کے عنوان سے پے بہ پے کئی کتابچے اس مقصد سے شائع کیے کہ اس کام کی اہمیت بھی لوگوں پر واضح ہو جائے اور اس کا استدلالی پس منظر بھی نگاہوں کے سامنے رہے۔

اللہ تعالےٰ خلوص و اخلاص کے ساتھ کی جانے والی کسی بھی کوشش کو نہ دنیا میں ضائع فرماتا ہے نہ آخرت میں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی پانچ سالہ مساعی کا فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ــ "گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں۔ یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں!" اور ــ "میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر۔ ہم سفر ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا!" کے مصداق ان کے ہم خیال معاونین کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا جن میں سے کچھ نسبتاً زیادہ فعّال حضرات نے ان کے ساتھ باقاعدہ و باضابطہ تعاون کی غرض سے ۱۹۷۲ء میں اپنے آپ کو 'مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)' کی صورت میں منظّم کر لیا جس کی 'قرارداد تاسیس' میں بھی ڈاکٹر صاحب کی تذکرہ بالا تحریر کے مرکزی خیال اور لبّ لباب کو من و عن ضمّ (INCORPORATE) کر لیا گیا اور اس کی مختصر تشریح کے ذیل میں مزید صراحت کر دی گئی کہ: "انجمن کے اس موقف کا مفصل استدلالی پس منظر اور ٹھیٹھ منطقی صغریٰ و کبریٰ تو "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" نامی کتابچے کے مطالعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ:-

۱۔ ہمارے موجودہ دینی انحطاط کا اصل سبب یہ ہے کہ مغرب کی بے خدا سائنس اور یورپ کے ملحدانہ فلسفہ و فکر نے بحیثیت مجموعی پوری اُمت کے ایمان کی جڑوں کو ہلا ڈالا ہے اور خرمنِ یقین کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ اور اب صورت

واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس کے دل و دماغ میں بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں بالخصوص خدا اور آخرت اور وحی و نبوت ایسے اساسی معتقدات تک کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہی ۔

۲ ۔ اندریں حالات اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کی لازمی شرط (Pre-requisite) ہے تجدید ایمان ہے اور قصرِ اسلام کی تعمیرِ نو کے لئے ایمان کی ان بنیادوں کی از سرِ نو تعمیر ناگزیر ہے جو صرف مضمحل ہی نہیں منہدم ہو چکی ہیں ۔ گویا یہ عمارت صرف جزوی مرمت اور سطحی لیپا پوتی کی نہیں بلکہ بنیاد سے تعمیرِ جدید کی محتاج ہے ۔

۳ ۔ تجدید ایمان کی اس مہم میں اوّلین اہمیت معاشرے کے اس فہیم عنصر (Intelligentsia) اور ذہین اقلیت (Intellectual Minority) کو حاصل ہے جو از خود معاشرے کی ذہنی و فکری قیادت کے منصب پر فائز ہے اور جسے جسدِ ملت میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک فردِ نوعِ بشر کے جسم میں اس کے دماغ (Brain) کو حاصل ہوتا ہے ۔

۴ ۔ اس طبقے کے قلوب و اذہان میں ایمان کی تخم ریزی اور آبیاری کیلیے لازم ہے کہ خالصتہً قرآن حکیم کی بنیادوں پر اور اسی کی ہدایت و رہنمائی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست علمی تحریک برپا ہو جو ایک طرف وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ملحدانہ افکار و نظریات کا مؤثر اور مدلل ابطال کرے ۔ دوسری جانب ٹھوس علمی سطح پر ملحدانہ افکار حقائق ایمانی کا واضح اثبات کرے تاکہ یقین اور اذعان کی کیفیت پیدا ہو ۔ اور تیسری طرف ثابت شدہ سائنسی حقائق اور حقیقتِ کائنات و انسان کے بارے میں قرآن حکیم کے نقطۂ نظر میں ایسی تطبیق پیدا کرے جس سے قلوب مطمئن ہو سکیں ۔ (وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ)

۵ ۔ اس کے لئے لازم ہے کہ کچھ ایسے نوجوان جو بیک وقت ذہین اور باصلاحیت بھی ہوں اور باہمت اور صاحبِ عزیمت بھی اور جنہیں اللہ تعالٰے اپنی کتابِ عزیز پر خالص ذاتی نوعیت کا ایمان و یقین عطا فرماوے ، اپنی پوری زندگی کو تعلم و تعلیم قرآن کے لئے وقف کر دیں اور اس کتاب حکیم کے فلسفہ و حکمت

کی تحصیل اور نشرو اشاعت کے سوا زندگی میں اُن کا مقصود و مطلوب اور کچھ نہ رہے۔

۶۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور عربی زبان سیکھنے سکھانے کی ایک عام تحریک برپا کی جائے اور علوم قرآنی کی عمومی نشرو اشاعت کا ایک وسیع پیمانے پر اہتمام ہو تاکہ عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔ اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں گے اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے گی جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرو اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(ماخوذ : قرار دادِ مقاصد کی مختصر توضیح و تشریح از : دستورِ انجمن)

الحمد للہ کہ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۱ء تک ڈاکٹر صاحب اور انجمن کی نو سالہ مشترکہ مساعی کا یہ نتیجہ روزِ روشن کی طرح نگاہوں کے سامنے ہے کہ پاکستان کے طول و عرض میں نہایت کثیر تعداد میں لوگوں کی توجہات قرآنِ حکیم کی جانب منعطف ہو گئی ہیں اور اللہ کی کتابِ مُبین کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو گیا ہے۔

— مزید براں قرآنِ حکیم کے علوم و معارف کے بیان و تبیین کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے مخصوص طرز و انداز کا شہرہ نہ صرف اندرونِ ملک گوشے گوشے میں بلکہ بیرونِ ملک بھی دُور دُور تک پہنچ گیا ہے۔ اس ضمن میں بظاہر احوال جہاں ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطابات اور انجمن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی قرآن کانفرنسوں اور قرآنی تربیت گاہوں اور مکتبۂ انجمن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی مطبوعات کو بھی بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ اور گذشتہ تین سالوں کے دوران پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگراموں بالخصوص 'الکتٰب'، 'الم' اور 'الھُدیٰ' نے تو فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے، وہاں درحقیقت یہ فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا

جس نے اپنا کلام اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور اُس کے ایک ایک حرف کو "کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب" کی سی شان کے ساتھ علم و حکمت کے جواہر کا خزانہ بنا دیا۔ پھر اس دور میں جبکہ الحاد اور مادہ پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اور انسانوں کی عظیم اکثریت کا مقصود و مطلوب محض دُنیا اور اس کی آسائشیں بن کر رہ گئی ہیں اپنے ایک حقیر اور ناچیز بندے کے ذہن پر قرآن حکیم کی عظمت کا ایسا نقش قائم فرما دیا اور اس کے دل میں اپنے کلامِ مجید کی ایسی محبت جاگزیں فرما دی کہ وہ سے "ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم - اِلّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم![1]" کے مصداق ہر چیز سے لاتعلق ہو کر صرف اور صرف اس کی کتاب کا ہو کر رہ گیا - مزید براں اسے بیان کی وہ صلاحیت عطا فرما دی اور اس کی زبان میں وہ تاثیر رکھ دی کہ بفحوائے الفاظ قرآنی "فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیٓ اِلَيْهِمْ[2]" کثیر تعداد میں لوگوں کے قلوب اس کی جانب مائل ہو گئے اور معتدبہ تعداد میں لوگ اس کی سعی و جہد میں بالفعل شریک بھی ہو گئے - یہ سب فی الاصل ظہور ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانی کا بفحوائے الفاظِ قرآنی :- "اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝[3]" ——— گویا ڈاکٹر صاحب اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے پیشِ نظر مقاصد کے اس مرحلۂ اوّل کی کسی درجے میں تکمیل کے ضمن میں بظاہر خواہ ڈاکٹر صاحب کی ذاتی مساعی کا دخل ہو خواہ وابستگان و کارکنانِ انجمن کے "دامے، درمے، قدمے، سخنے" تعاون کا، بباطن یہ سارا معاملہ تصرفاتِ الٰہیہ کا ہے، پس کُل شکر و ثنا بھی اسی کی ہے اور تمام حمد و منت بھی، - ڈاکٹر صاحب اور انجمن دونوں کے لئے مقامِ صد شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] "ہم نے جو کچھ پڑھا پڑھایا تھا سب فراموش کر دیا - اب تو بس صرف اپنے محبوب ہی کی بات یاد رہ گئی ہے جس کا ورد کئے جا رہے ہیں "

[2] سورۂ ابراہیم "(پس اے رب) لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل فرما دے!"

[3] سورۂ رحمٰن : "رحمٰن نے (بنفسِ نفیس) قرآن کی تعلیم دی، انسان کو تخلیق فرمایا (اور) اسے بیان کی صلاحیت عطا فرمائی"

نے انہیں اپنی کتابِ عزیز کی خدمت کی توفیق بھی ارزانی فرمائی اور ان کی مساعی کو دُنیا میں قبول عام کا مقام عطا فرماکر "وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا"[4] کے قبیل کا نقد انعام بھی عطا فرمادیا ہے " منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی. منت شناس از اُو کہ بخدمت گذاشتت !!"

پیش نظر مقاصد کے 'مرحلۂ ثانی' - یعنی قرآن اکیڈمی کے قیام اور اس "کہفِ قرآنی" میں ذہین اور فہیم نوجوانوں (یعنی فِتْیَة[5]) کی ایک جماعت کے ہر طرف سے کٹ کر کامل یکسوئی کے ساتھ پوری زندگی کو 'وقف' کردینے کے شعوری فیصلے اور مصمم ارادے کے ساتھ ہمہ تن اور ہمہ وقت تعلیم و تعلم قرآن میں مشغول ہوجانے کے ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سا تمہیدی کام گذشتہ نو[9] سالوں کے دوران ہوچکا ہے - چنانچہ ایک[1] طرف 'قرآن اکیڈمی' کا تعمیراتی منصوبہ تین چوتھائی سے زاید مکمل ہوچکا ہے (واضح رہے کہ اس میں ایک پیسہ بھر بھی کسی ملکی، یا غیر ملکی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی مدد شامل نہیں ہے - بلکہ یہ کُل کا کُل ڈاکٹر صاحب اور انجمن کے ہم خیال اور بہی خواہ حضرات کے ذاتی ایثار و انفاق کا نتیجہ ہے -) دوسری[2] طرف ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین و فہیم نوجوان بھی اب بالکل مفقود نہیں ہیں جن کے دلوں میں اپنی زندگیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک : "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ"[6] کے مطابق تعلیم و تعلّم قرآن کے لئے وقف کردینے کا جذبہ موجزن ہے - بنابریں اب وقت آگیا ہے کہ اس مرحلۂ ثانی کا بالفعل آغاز کردیا جائے -

یہ بات بادنیٰ تامّل سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس دوسرے مرحلے کے آغاز کے لئے دو شرطوں کا پورا کیا جانا لازمی و لابدی ہے :- ایک[1] ان نوجوانوں کی

---

[4] سورۃ صف : "اور دوسری چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے !"

[5] سورہ کہف

[6] بخاریؒ اور مسلمؒ کی متفق علیہ مرفوع حدیث جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے :- "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اسے دوسروں تک پہنچائیں"

جانب سے جو اس کام کا داعیہ رکھتے ہوں اور دوسری انجمن کی جانب سے — — نوجوانوں کی طرف سے یہ کہ وہ کسی فوری جذبے یا وقتی محرک کے تحت نہیں بلکہ پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنی پوری زندگی کو اس عظیم مقصد کے لئے وقف کرنے کا عہد کریں - اور معاش کے ضمن میں امنگوں اور ولولوں (AMBITIONS) اور حسین مستقبل (BRIGHT CAREER) کی آرزوؤں سے صرف نظر کر کے صرف 'قوتِ لایموت' پر بسر کرنے کے لئے ذہنًا پوری طرح آمادہ ہو جائیں - اس ضمن میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے صفحہ ۲۱ و ۲۲ سے یہ اقتباس لائقِ توجہ ہے :-

"آج کے دور میں، جبکہ مادیت اور دنیا پرستی کا قلوب و اذہان پر مکمل تسلط ہے اور کچھ تو فی الواقع طلبِ معاش کا مسئلہ اتنا کٹھن ہو گیا ہے کہ اکثر لوگوں کو اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں اسی کے حل پر مرکوز کر دینی پڑتی ہیں - پھر معاشرے کا عام رجحان یہ ہو گیا ہے کہ جو ذرا اس سطح سے بلند ہوتا ہے اس پر معیارِ زندگی کو بلند تر کرنے کی دھن سوار ہو جاتی ہے - اس قسم کے نوجوانوں کا ملنا بظاہر محال نظر آتا ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا سعید رُوحوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی، اور اگر کچھ مخلص و صاحبِ عزیمت لوگ ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھا لیں تو انشاءاللہ اسی معاشرے میں بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک نوجوان ایسے مل جائیں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک کو کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ اپنا لائحہ عمل بنا کر علم قرآن کی تحصیل و اشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں — یہ بھی واضح رہے کہ اصل ضرورت صرف اس کی ہوتی ہے کہ کسی جذبہ و خیال کے تحت انسان میں داخلی طور پر ایک داعیہ بیدار ہو جائے، پھر یہ داعیہ کام کی راہیں خود پیدا کر لیتا ہے اور تمام موانع و مشکلات سے خود نبٹ لیتا ہے - لہذا ضرورت اس کی ہے کہ اس خیال کو عام اور اس کی ضرورت کے احساس کو اجاگر کیا جائے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس اعلیٰ و ارفع نصب العین کے لئے کام کرنے والے دستیاب نہ ہو سکیں -"

یہ بات آج سے پندرہ سال قبل کہی گئی تھی اور اگر ڈاکٹر صاحب کی پندرہ سالہ اور انجمن کی نو سالہ مساعی سے چند نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ داعیہ بیدار نہ ہو سکا ہو تو دو میں سے ایک نتیجے تک پہنچنا ناگزیر ہو گا یعنی یہ کہ یا تو یہ مساعی ہی خلوص سے تہی اور اخلاص سے بیگانہ تھیں یا پھر ہمارا معاشرہ بالکل بانجھ ہو چکا ہے اور اب اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی — بہرحال "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ" اور "وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ" کی دائمی اور لازوال قرآنی ہدایات اور عہد حاضر کے حکیم القرآن علامہ اقبال مرحوم کی اس تلقین کے پیشِ نظر کہ ؎ "نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ - کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!" ہم امید رکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ سعید روحیں ایسی ضرور نکل آئیں گی جو اس کڑی شرط کو پورا کر سکیں — کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ اسی برصغیر پاک و ہند سے کثیر تعداد میں ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان نوجوان نکل آئے تھے جنہوں نے پوری عمر یہ عہد نباہا کہ ہمیشہ قومی تعلیمی اداروں ہی میں کام کریں گے اور کبھی سرکاری ملازمت کا رُخ نہ کریں گے اور مدت العمر کبھی -/۷۵ روپے ماہوار سے زیادہ مشاہرہ نہ لیں گے — تو اگر قوم اور وطن کے نام پر اس کردار کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے تو کیا ہمارا معاشرہ دینی جذبہ کے اعتبار سے اسقدر گراوٹ کا شکار ہو چکا ہے کہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خدمت کے لئے چند لوگ بھی اس کردار کا مظاہرہ نہ کر سکیں — "أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ"[۱]؟

دوسری جانب انجمن خدام القرآن کو یہ شرط پوری کرنی ہوگی کہ وہ ان نوجوانوں کا زیادہ کڑا امتحان نہ لے اور ان کی معاش کے ضمن میں اوسط درجے اور درمیانی معیار کی کفالت کا ذمہ لے — ان دونوں شرطوں میں اگرچہ بظاہر ایک طرح کا تضاد نظر آتا ہے لیکن واقعیت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ ان دونوں کو بیک وقت پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ یعنی جبکہ اکیڈمی کے نوجوان رفقاء ذہناً و قلباً توت لا یموت، حتیٰ کہ بمصداقِ الفاظ قرآنی: "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ

---

[۱] سورہ ہود: "کیا تم میں کوئی ایک بھی سعید روح موجود نہیں ہے؟"

الجُوعِ ۔ ۔ ۔ ؎۸" اور " والصّٰبرِینَ فِی البَاسَاءِ ؎۹ ۔ " فاقوں تک کے لئے تیار ہوں ، اکیڈمی اور اس کی مادرِ سرپرست انجمن ان کے لئے اوسط درجے کی معاش کا اہتمام ضرور کرے ـــــ چنانچہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) کی مجلسِ منتظمہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۱ ستمبر ۸۱ء میں فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کسی بھی مضمون میں ایم اے یا ایم ایس سی کا امتحان فرسٹ ڈویژن (یا بصورت سمسٹر سسٹم کم از کم بی گریڈ) میں پاس کرنے والے نوجوانوں کو جو انجمن اور قرآن اکیڈمی کے مقاصد کے لئے زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کریں یونیورسٹی لیکچررز کے گریڈ کے مطابق مشاہرہ و دیگر سہولتیں فراہم کرے گی ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ : " مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ؎۱۰ " کے مطابق کون ہیں وہ باہمت نوجوان جو انجمن کی اس پیشکش کو قبول کر کے اس کی صدا پہ لبیک کہیں اور اپنے پورے سرمایۂ زیست کو اللہ کے دینِ متین اور اس کی کتاب مبین کی خدمت کے لئے وقف کر دینے کے عزم کے ساتھ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو عمر بھر کے لئے انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی کے حوالے کر دیں ۔

اس ضمن میں اگرچہ بات پہلے ہی پوری طرح واضح ہو چکی ہے تاہم حفظِ ما تقدّم کے طور پر مزید وضاحت مناسب ہے کہ یہ کوئی جزوی یا وقتی معاملہ نہیں ہے بلکہ پوری متاعِ زیست اور جملہ سرمایۂ حیات کا سودا ہے اصلاً اور بباطن اللہ کے ہاتھ اور بظاہر و معاملتاً انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی کے ہاتھ ـــ چنانچہ اس کی اصل قیمت تو اللہ تعالیٰ ہی ادا فرمائے گا یعنی جنت بفحوائے الفاظِ قرآنی : " اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؎۱۱ " البتہ انجمن ناگزیر بنیادی ضروریات

؎۸ سورۂ بقرہ : " اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کچھ خوف سے ، بھوک سے ... "

؎۹ سورۂ بقرہ : " اور (بالخصوص) صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں ۔ ۔ ۔ "

؎۱۰ سورۂ حدید : " کون ہیں وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دیں ! "

؎۱۱ سورۂ توبہ : " اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال بمعاوضہ جنت ! "

کے لئے گویا "گزارا الاؤنس" کا ذمہ لیتی ہے۔ معاملے کی اس اصولی نوعیت کے واضح تعین کے ساتھ ساتھ اس کے بعض مضمرات و مقدرات اور لوازم و نتائج کی پیشگی وضاحت بھی مفید رہے گی۔ تاکہ "لِيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ"[۱۲] کے مصداق جو بھی آگے بڑھے خوب سوچ سمجھ کر بڑھے:

۱ - ان نوجوانوں کو اپنی جملہ توانائیاں اور کل صلاحیتیں بھی انجمن اور اکیڈمی کے لئے وقف رکھنی ہوں گی اور ناگزیر حوائج اور ضروری آرام کیلئے جتنا وقت درکار ہے۔ اس کے سوا تمام اوقات بھی ان مقاصد ہی کے حصول کے لئے کھپانے ہوں گے ۔۔۔ اور نہ تو ان کی صلاحیتوں اور قوتوں کا کوئی حصہ کسی بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ انداز میں کسی دوسری نوع کی جلبِ منفعت میں صَرف ہوگا اور نہ ہی "اوقاتِ کار" کا وہ تصور سامنے رہے گا جو عام طور پر "ملازمت" کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔

۲ - انجمن اور اکیڈمی کے مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے ضمن میں تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ حتیٰ کہ تنظیمی اور انتظامی نوعیت کے جو فرائض بھی انہیں تفویض کئے جائیں گے انہیں بدل و جان سرانجام دینے کی ہر امکانی سعی کو بروئے کار لانا ہوگا اور اس ضمن میں کسی بھی کام سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

۳ - یہ سارا کام "احیائے اسلام" اور "اقامتِ دین" کے مقاصدِ جلیلہ کیلئے ہے لہٰذا یہاں نظم اور ڈسپلن کا معاملہ بھی "اطاعت فی المعروف" کے ٹھیٹھ دینی اصول پر مبنی ہوگا نہ کہ عام دنیاوی اداروں یا حکومت کے محکموں کے طرز کا۔

۴ - اس پورے کام کا ایک پس منظر ہے جس سے اس کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ یہ کہ "قرآن اکیڈمی" ایک ذیلی ادارہ ہے "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کا اور اس کے موسس اور تاحینِ حیات صدر ہیں ڈاکٹر اسرار احمد جن کے دینی فکر کو اس پورے کام میں اساسی اہمیت اور بنیاد کے پتھر کی حیثیت حاصل ہے ۔۔۔ لہٰذا اس کام میں صرف ان ہی حضرات کا اشتراکِ عمل مفید رہے گا جو اُن کے فکر سے فی الجملہ اتفاق رکھتے ہوں ۔۔۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ کسی بھی مسئلے

---

[۱۲] سورۃ انفال: "تاکہ جو جیئے دلیل کے ساتھ جیئے"

میں ان سے اختلاف نہ رکھتے ہوں - اس لئے کہ جزوی مسائل میں اختلاف اور تعبیر و تاویل کے انداز میں فرق و تفاوت بالکل دوسری چیز ہے اور اس کیلئے تو ہر جگہ اور ہر سطح پر گنجائش رہنی چاہیئے لیکن مجموعی فکر سے اختلاف کے ساتھ اتحادِ کار محال ہے اور ایسی کسی بھی کوشش میں خواہ وہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو وقت اور قوت کا ضیاع تو ممکن ہے کسی مفید نتیجے کی توقع نہیں کی جاسکتی ـــــ ہمسفری اور ہم قدمی ذہنی اور فکری ہم آہنگی کے بغیر ممکن نہیں ہے !!

اس کام کے لئے آگے بڑھنے والے نوجوانوں کے لئے ان مزید وضاحتوں اور تنبیہوں کے ساتھ ایک مزید تصریح انجمن کی جانب سے بھی ـــ اور وہ یہ کہ ایسے نوجوانوں کو آغاز میں، یونیورسٹی لیکچررز کے گریڈ (یعنی فی الوقت گریڈ ۱۷) میں مشاہرہ اور دیگر مراعات (یعنی رہائش یا کرایہ اور دیگر الاونس) دینے کے بعد وقتاً فوقتاً جو اضافے اس ضمن میں سرکاری سطح پر ہوتے رہیں گے وہ انجمن بھی کرتی رہے گی ـــ اور مناسب وقفوں پر ترقی کے جو امکانات سرکاری اداروں میں ہوں گے ان کا سلسلہ اکیڈمی میں بھی قائم رکھا جائے گا -

آخری اور بعض اعتبارات سے اہم ترین بات یہ کہ یہ پوری تحریر یہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کی مجلسِ منتظمہ کے ایک خصوصی اجلاس منعقدہ ۱۵ر اکتوبر ۸۱ء میں پیش ہو کر ایک ایک لفظ کی تصویب و توثیق کا مرحلہ طے کر چکی ہے، گویا اسے مِن و عَن مجلس منتظمہ کی 'قرارداد' کی حیثیت حاصل ہے -

---

(بقیہ عرض احوال)

کامیاب فرمائے کہ شروع ہونے والے اس اسلامی سال میں میثاق ہر ماہ پابندی سے پیش کیا جاسکے - اکثر احباب کو ناقص پروف ریڈنگ کی شکایت بھی اس مرتبہ اس شکایت کے ازالے کے لئے امکانی کوشش کی گئی ہے - اس سلسلہ میں محترم چودھری نصیر احمد درک کا میں ذاتی طور پر ممنون ہوں - جنہوں نہ صرف اس مرتبہ اس کام میں تعاون فرمایا ہے بلکہ آئندہ مستقل طور پر یہ ذمہ داری قبول کر لی ہے - توقع ہے کہ ان کے اس تعاون کی بدولت اس باب میں احباب کی شکایت باقی نہیں رہے گی - وَمَا توفیقی الّا باللہ !

نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ۴ نشری تقاریر

سورۂ ھود (آیات نمبر ۱۰۶ تا ۱۱۲)

(۱)

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم۔

اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ (سورہ ھود آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

ترجمہ: " تو جو بد بخت ہوں گے وہ آگ میں داخل ہوں گے۔ اس میں چیختے چلاتے رہنا ہی ان کا مقدر ہوگا۔ وہ اسی میں رہیں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم رہیں الا یہ کہ تیرا رب ہی (کچھ اور) چاہے۔ یقیناً تیرا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ اور جو نیک بخت قرار پائیں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اسی میں رہنے کو جب تک زمین و آسمان قائم رہیں۔ سوائے اس کے جو چاہے تیرا رب۔ یہ عطیۂ الٰہی ہوگا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا! " ترجمہ ختم ہوا۔

سورۂ ہود کی ان آیاتِ مبارکہ میں احوالِ آخرت کا بیان نہایت منفرد اور انوکھے پیرائے میں ہوا ہے۔ محاسبۂ اُخروی کے نتیجے میں نسلِ آدم کا دو گروہوں میں منقسم ہو جانا جن میں سے ایک کو رحمتِ خداوندی اپنی آغوش میں لے لے گی اور دوسرا عذابِ خداوندی کا نوالہ بنے گا قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر مذکور

ہے لیکن قرآن کا اعجازِ کلام یہ ہے کہ ہر جگہ بیان کی ایک نئی شان ہے۔ بالکل "کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ" کی سی کیفیت کے ساتھ۔ یقیناً بالکل صحیح فرمایا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے قرآن حکیم کی شان میں کہ سے "مثلِ حق پنہاں وہم پیداست او۔ زندہ و پائندہ وگویاست او!!"

آیت ۱۰۵ ختم ہوئی تھی ان الفاظ مبارکہ پر کہ "فمنھم شقی و سعیدٌ" یعنی قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک کے لئے لفظ شقی استعمال ہوا اور دوسرے کے لئے سعید۔ شقی کا صحیح ترین مفہوم فارسی کے لفظ بدبخت سے ادا ہو سکتا ہے اور سعید کا نیک بخت سے ___ لیکن نہایت لطیف نکتہ یہ ہے کہ آگے "فَاَمّا الذین شقوا" میں فعل کا صیغۂ معروف استعمال ہوا ہے جس میں ارادۂ فعل کی نسبت فاعل کی جانب صراحت کے ساتھ ہوتی ہے اور "اَمّا الّذین سُعِدُوا" میں فعل مجہول لایا گیا جس میں فعل کی نسبت فاعلی شخص مذکور کی جانب نہیں ہوتی۔ گویا کہ شقاوت تمام تر انسانوں کے اپنے افعال و اعمال کا نتیجہ ہے جبکہ سعادت میں عطیۂ الٰہی ہونے کا پہلو غالب ہے۔ چنانچہ اسی کی جانب مزید واضح اشارہ ہو گیا آیاتِ زیرِ درس کے آخری الفاظ یعنی "عطاءً غیر مجذوذ" میں کہ یہ عطا ہے کسب نہیں!۔ اسی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ادا فرمایا کہ کوئی انسان محض اپنے اعمال کے سبب سے جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک کہ رحمتِ خداوندی دستگیری نہ کرے۔ جس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے یہ پوچھ ہی لیا کہ "حضورؐ کیا آپ بھی؟" ۔ جس کے جواب میں آنحضورؐ نے فرمایا: "ہاں! میں بھی!!" فصلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم!۔

اہلِ جہنّم کے لئے اس مقام پر دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں زفیر اور شھیق۔ اہلِ عرب ان دونوں کا اطلاق گدھے کے چیخنے چلّانے پر کرتے تھے چنانچہ وہ آواز جو اس وقت نکلتی ہے جب گدھا سانس باہر کو نکالتا ہے۔ اسے وہ زفیر سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اس سے بھی مکروہ تر آواز اس وقت نکلتی ہے جب وہ سانس اندر کی جانب کھینچتا ہے اسے شھیق کہتے ہیں، اہلِ جہنّم کی چیخ پکار کے لئے ان دونوں الفاظ کے استعمال میں تحقیر اور تضحیک کا جو پہلو ہے وہ

اظہر من الشمس ہے۔

قرآنِ حکیم میں جنّت اور دوزخ دونوں کے لئے خلود کا لفظ بے شمار مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہمیشہ رہنے کے ہیں۔ دوام مطلق کا تصوّر ظاہر ہے کہ انسان کے لئے محال عقلی ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذہن اور اس کی سوچ کے تمام پیمانے محدود ہیں، اس میں لامحدود زمانے کا تصوّر سمانا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر شخص اس کا تصوّر اپنے ذہن و فکر کی وسعت یا تنگی کی نسبت سے قائم کرنے پر مجبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر قرآن "خلود" پر "ابدًا" کے لفظ کا اضافہ کرتا ہے تاکہ انسانوں کا تصوّر خلود کے ضمن میں کچھ اور آگے بڑھ سکے —— سورۂ ہود کی زیرِ درس آیات میں ایک بالکل منفرد پیرایۂ بیان استعمال ہوا ہے یعنی "مادامتِ السمٰوٰت والارض" یعنی جب تک قائم رہیں آسمان اور زمین!! —— اس ضمن میں یہ بات تو بالکل واضح ہے۔ اور اس پر جمیع مفسّرین کا اجماع و اتفاق بھی ہے کہ ان سے مراد موجودہ زمین و آسمان نہیں بلکہ عالمِ آخرت کے زمین و آسمان ہیں۔ اس لئے کہ یہ امر قرآن حکیم میں متعدّد مقامات پر صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ وقوع قیامت پر زمین و آسمان موجودہ بساط لپیٹ دی جائے گی اور بالکل نئے قوانین طبعی کے ساتھ نئے زمین و آسمان وجود میں آئیں گے جیسے کہ فرمایا کہ —— "یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ" یعنی "جس دن کہ ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو جیسے کہ کتابوں کے طومار لپیٹ دیئے جاتے ہیں" یا جیسے فرمایا کہ: یومَ تبدّلُ الارض غیرا لارض وَالسّمٰوٰت" یعنی "جس دن کہ زمین و آسمان تبدیل کر دیئے جائیں گے" اور یہ بات ہرگز خلافِ قیاس نہیں کہ عالمِ آخرت کے یہ زمین و آسمان ابدی ہوں اور ان میں پھر نہ کسی تغیّر و تبدّل کا امکان ہو نہ اختتام وانہدام کا —— یا یہ بھی عین ممکن ہے کہ "مادامت السمٰوات والارض" کے الفاظ بطور محاورہ استعمال ہوتے ہوں اور کنایہ ہوں ابدیت کے لئے۔ بہرحال یہی دو تعبیریں اہل سنت کے مجمع علیہ عقاید کے مطابق ممکن ہیں —— البتہ ایک خفیف سا امکان اس اندازِ تعبیر و بیان سے اس امر کا

بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک نہایت دور دراز اور طول و طویل مدّت کے بعد جس کی درازی کا تصور ذہنِ انسانی صرف خلود اور ابد ہی کے الفاظ کے حوالے سے کر سکتا ہے ایک وقت آ سکتا ہے کہ کُل سلسلہ تخلیق اور پورا عالم کون و مکان جس طرح آغاز میں عدمِ محض سے عالمِ وجود میں آیا تھا اسی طرح ایک بار پھر عدمِ محض کے پردے میں گم ہو جائے۔ اور سوائے ذاتِ واجب الوجود کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ اسی کی جانب ایک لطیف سا اشارہ سورۂ رحمٰن کے ان الفاظ مبارکہ میں بھی ملتا ہے کہ "کُلُّ مَنْ علیھا فانٍ وّ یبقیٰ وجہ ربّکَ ذُوالجلالِ وَالاِکرام" — اگرچہ یہ معاملہ اس اعتبار سے بہت عجب ہے کہ کہ بعض عارفین کے نزدیک تو اس وقت بھی صورتِ واقعہ یہی ہے کہ فی الحقیقت موجود ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف وہم و خیال کے درجے میں ہے فی الواقع موجود نہیں بقولِ شاعر ع کل ما فی الکون وہمٌ او خیال۔ او عکوسٌ فی المرایا او ظلال!" — یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ یا وہم و خیال کے درجے میں ہے یا آئینوں میں نظر آنے والے عکس یا سائے کے درجے میں۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

"مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" کے الفاظِ مبارکہ پر مزید منفرد اور انوکھا اضافہ آیاتِ زیرِ درس میں "اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ" کے الفاظ سے ہوا ہے! یعنی "سوائے اُس کے جو چاہے ترا ربّ!" ان الفاظِ مبارکہ کا مدلول وہ تو لازماً ہے ہی جس کی جانب اشارہ کیا ہے تمام مفسّرین نے کہ جملہ صفاتِ باری تعالیٰ کی طرح مشیّتِ ایزدی بھی اطلاقی شان کی حامل ہے اور اللہ خود اپنے بنائے ہوئے کسی قاعدہ و قانون کا بھی پابند نہیں ہے کہ ایک مرتبہ بنانے کے بعد معاذ اللہ وہ عاجز ہو جائے اور اس میں کوئی ردّ و بدل نہ کر سکے! وہ مختارِ مطلق ہے جو چاہے کرے۔ مزید برآں اس استثناء سے جہنّم کے ضمن میں تو اہلِ سُنّت کے اس عقیدے کی تائید کا پہلو نکلتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والے سب لوگ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ گناہگار مومن اپنے گناہوں کی نسبت سے سزا پا کر وہاں سے نکل آئیں گے۔ اور کیا عجب کہ اہلِ جنّت کے ضمن میں بھی اس استثناء کا مطلب یہ ہو کہ تمام اہلِ جنّت بھی ہمیشہ جنّت ہی میں نہ رہیں بلکہ وہ

سب یا ان میں سے کچھ اس سے بھی اعلیٰ کیفیت کی طرف منتقل کر دیئے جائیں بقول شاعر ع "ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں !" — اور ع "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں !" — واللہ اعلم بالصّواب ۔

مزید برآں جہنّم اور اہل جہنّم کے ذکر میں "اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" کے الفاظ اور اس کے مقابلے میں جنّت اور اہل جنّت کے ذکر میں "عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ" کے الفاظ کا استعمال بھی بلا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بقول غالب مے "گنجینۂ الفاظ کا طلسم اس کو سمجھیو ۔ جو لفظ کہ غالبؔ میرے اشعار میں آوے!" الفاظ و انداز بیان کے اس فرق و تفاوت سے جنّت اور دوزخ کے دوام و خلود میں کسی لطیف فرق کا سراغ ضرور ملتا ہے ۔ جس کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے دو مقامات پر یعنی سورۃ تغابن اور سورۃ بیّنہ میں اہل جہنّم کے ضمن میں صرف "خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" کے الفاظ پر اکتفا — اور اہل جنت کے ذکر میں ان پر "ابدًا" کے اضافے سے — اور اگرچہ یہ بات مجمع علیہ عقاید کے مطابق تو نہیں تاہم یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ اس معاملے میں دو بالکل متضاد مزاج کے حامل بزرگوں کا اتفاقِ رائے بہت غیر معمولی بات ہے ۔ یعنی یہ کہ کتاب و سنّت کے علوم کے بحرِ ذخّار امام ابن تیمیہؒ اور طائفہ صوفیا کے سرخیل شیخ ابن عربیؒ دونوں کی رائے یہ ہے کہ دوام و ابدیت مطلقہ صرف جنّت کو حاصل ہے، دوزخ اگرچہ نہایت طویل نہایت طویل مدت بلکہ تقریباً دوام ہی کی حد تک قائم رہے گی لیکن اسے ابدیت مطلقہ بہر حال حاصل نہیں ۔ واللہ اعلم ۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروسِ قرآن حکیم اور خطابات کے
نشر القرآن کیسٹ سیریز، کراچی میں حسبِ ذیل پتہ پر دستیاب
ہیں شائنگ ٹریڈرز ۔ رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ ۔
شاہراہِ لیاقت ۔ کراچی ، فون ۲۱۴۷۰۹

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰؤُلَاءِ ط مَا يَعْبُدُوْنَ إِلَّا كَمَا
يَعْبُدُ اٰبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ ط وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ۝
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ط وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ وَإِنَّ
كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ط إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(سورۃ ھود ۱۰۹ - ۱۱۱) کا ترجمہ یہ ہے :-

"پس یہ لوگ جن (مزعومہ) معبودوں کی پرستش کر رہے ہیں تم ان کے بارے میں کسی کشمکش و پیچ میں نہ پڑ جانا - یہ بھی اسی طرح (بے دلیل و بے سند) پوج رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں - اور ہم انہیں دے کر رہیں گے ان کا بھرپور حصہ بغیر کسی کمی کے ! اور ہم نے موسٰیؑ کو بھی کتاب دی تھی - پھر اس میں بھی اختلاف ڈال دیا گیا - اور اگر نہ طے پا چکی ہوتی ایک بات تیرے رب کی جانب سے پہلے ہی سے، تو (کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے مابین، اور یقیناً وہ اس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس نے انہیں خلجان میں ڈال دیا ہے - اور یقیناً تیرا رب ان سب ہی کو بھرپور صلہ دے کر رہے گا - ان کے کرتوتوں کا، یقیناً جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس سے باخبر ہے !" ترجمہ ختم ہوا !

دنیا میں کسی چیز کا رواج یا چلن ہو جانا اور لوگوں کا کثیر تعداد میں اس کو قبول کر لینا بسا اوقات سادہ لوح لوگوں کے لئے اس مغالطے کا سبب بن جاتا ہے کہ جب اتنے لوگوں نے اسے اختیار کیا ہوا ہے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی دلیل اور معقولیت کارفرما ہوگی - یہاں بظاہر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے - لیکن دراصل عوام کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم جن مزعومہ معبودوں کی پرستش ہوتے دیکھ رہے ہو - جن کے گن گاتے اور اُن کی شان میں قصیدے پڑھتے تم اپنے پنڈتوں، پجاریوں اور پروہتوں کو دیکھ رہے ہو اور جن کی مدح سرائی

اور ثنا خوانی ہیں تم اپنی قوم کے سرداروں کو رطب اللّسان پاتے ہو ان کے بارے
ہیں اس سارے ٹھاٹھ باٹھ اور کرّ و فرّ سے تمہیں یہ مغالطہ نہ لاحق ہونے پائے
کہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل یا سند ضرور موجود ہو گی خواہ وہ ہمارے علم ہیں نہ
ہو بلکہ ہمارے فہم سے بھی بالاتر ہو! - اس سارے معاملے کی اصل حیثیت ایک
ریت اور رسم سے زیادہ کچھ نہیں ہے - گویا یہ خالص تقلید اعمیٰ کا کرشمہ ہے - وَ
لَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۤءِ " پس تم ہرگز دھوکا نہ کھا جانا ان
مزعوم معبودوں کے بارے میں جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں - " مَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ " یہ لوگ نہیں پوج رہے ہیں ان کو مگر اسی طور پر
جس طور سے پہلے ان کے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں یعنی بالکل بے دلیل و برھان
اور بغیر سند و سلطان - جیسے کہ فرمایا سورۂ حج کی آیت ۷۱ میں " وَيَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ مِنْ
عِلْمٍ " یعنی " وہ پوج رہے ہیں اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جن کے لئے نہ کوئی
سند یا سلطان اتاری گئی ہے نہ ہی اُن کے بارے ہیں ان کے پاس کوئی حقیقی
اور واقعی علم یعنی دلیل عقلی یا بُرھانِ علمی موجود ہے " - آخر ہیں فرمایا " وَاِنَّا
لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ " اور یقیناً ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو ان
کا بدلہ بغیر کسی کمی کے ' بلا کم و کاست !! " ان الفاظ ہیں شدید وعید بھی پنہاں ہے
اور ساتھ ہی ان کے انجام پر حسرت کا اظہار بھی ہے - لفظ " نصیب " ہیں حسرت
ہے - اُس بھیانک انجام پر جس سے وہ دوچار ہونے والے ہیں - " غَيْرَ
مَنْقُوْصٍ " میں وعید کی شدّت ہے کہ ان سے کسی قسم کی کوئی رُو رعایت نہ برتی
جائے گی اور یہ اپنی گمراہی اور کجروی کا بھرپور صلہ پا کر رہیں گے - اس لئے کہ
شرک ناقابل معافی جرم ہے - جیسے کہ فرمایا سورۂ نساء میں دو بار یعنی آیت ۴۸
اور آیت ۱۱۶ میں کہ " اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ " " یعنی: اللہ
تعالیٰ ہرگز معاف نہ فرمائے گا اسے کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے اب " اسی
کیفیت ہیں مزید شدّت کا اضافہ ہے " اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ " کے کلمات مبارکہ میں
" اِنَّا " بھی تاکید کے لئے آیا ہے - لام مفتوح سے تاکیدِ مزید ہو رہی ہے - پھر

وَفّٰی یُوَفِّیْ کے معنی ہیں پورا پورا دینا اور اس میں کسی نوع کی کمی نہ ہونے دینا مزید برآں اس میں بجائے فعل کے اسم فاعل کا استعمال کیا گیا جس سے ایک عزم مصمم کا اظہار ہوتا ہے - گویا کہ وعید کی شدت اور اس میں تاکید کے اظہار کے لئے جتنے اسلوب عربی زبان میں ممکن ہیں وہ سب کے سب اس چھوٹے سے جملے میں استعمال ہو گئے —— فَسُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ !!

سورۂ ہود مکّی دَور کے آخر میں نازل ہوئی ہے - اس وقت تک اگرچہ آنحضورؐ کی براہ راست دعوت کا دائرہ تو شہر مکّہ یا اس کے گرد و نواح جیسے طائف وغیرہ تک محدود تھا جہاں صرف بنی اسمٰعیل آباد تھے تاہم آپ کی بالواسطہ دعوت دُور دُور تک پہنچ چکی تھی - بالخصوص مدینہ منورہ جو اس وقت تک یثرب کہلاتا تھا اور جہاں تین بڑے قبیلے آباد تھے وہاں آپ کی دعوت کا چرچا بھی ہو چکا تھا اور یہود کے علماء اور سردار حضورؐ کی مخالفت کا آغاز بھی کر چکے تھے اگرچہ یہ مخالفت بھی بالواسطہ ہی تھی یعنی در پردہ مشرکین مکّہ کی پیٹھ ٹھونک کر - اور انہیں آنحضورؐ کے خلاف طرح طرح کے الزامات و اعتراضات سُوجھا کر — لہٰذا سورۂ ہود کی آیت ۱۱۰ میں ان کی جانب ایک برمحل Referencs ہے "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ" یعنی "ہم نے (اس قرآن سے قبل) موسیٰؑ کو بھی ایک کتاب دی تھی (یعنی توراۃ) - لیکن اُس میں بھی اختلاف برپا کر دیا گیا" - "فَاخْتُلِفَ فِیْهِ" کے جامع الفاظ دونوں معانی کے حامل ہیں یعنی ایک یہ کہ جس طرح آج تم لوگ قرآن کے بارے میں تفرقے میں پڑ گئے ہو کہ یہ منزل من اللہ ہے یا نہیں ؟ اسی طرح اُس وقت توراۃ کے بارے میں بھی یہی جھگڑا کھڑا کیا گیا تھا - اس میں گویا اہل مکّہ ہی پر تعریض ہے اگرچہ ہے "در حدیث دیگراں" کے انداز میں ! اور دوسرے یہ کہ توراۃ کے ماننے والوں ہی نے بعد میں اس کی تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے اختلافات گھڑ لئے - یہ گویا تنقید ہوئی علمائے یہود پر جو در پردہ مشرکین مکّہ کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے - یہ تنقید نکھر کر سامنے آئی ہے آیت کے آخری الفاظ میں : "وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ" واضح رہے کہ شک ایک ذہنی کیفیت ہے،

اور "ریب" قلب سے متعلق ہے جس کی قریب ترین ترجمانی خلجان کے لفظ سے ہو سکتی ہے، یہ لفظ بہت خوبصورت انداز میں آیا ہے ایک حدیثِ نبوی میں کہ "مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ" یعنی "کسی بھی معاملے میں جس چیز سے دل میں خلجان پیدا ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جس سے دل کو اطمینان حاصل ہو"۔ یہی بات آنحضور ؐ نے ان الفاظ میں بھی فرمائی کہ "استفتِ قلبکَ" یعنی "اپنے دل سے بھی فتویٰ طلب کر لیا کرو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کی دعویدار امتیں زوال و اضمحلال کے نتیجے میں اس حالت تک بھی پہنچ سکتی ہیں کہ انہیں خود جس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے اس کے بارے میں بھی وہ فی الواقع شکوک و شبہات اور ریب و خلجان میں مبتلا ہو جائیں — یہی بات ہے جو ایک قاعدہ کلیہ کے سے انداز میں فرمائی گئی سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۴ میں کہ "وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ" یعنی "وہ لوگ جو انبیاء و رسل کے بعد ان کی کتابوں کے وارث بنے وہ اس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس سے اُن کے دلوں میں یقین و ایمان کے بجائے ریب و خلجان کی کیفیت پیدا ہو گئی"۔ اس آیۂ مبارکہ کے درمیان میں جو الفاظ وارد ہوئے یعنی "وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ" بعینہٖ یہی الفاظ ذرا سے مزید اضافے کے ساتھ سورۂ شوریٰ کی متذکرہ بالا آیت میں بھی آئے ہیں یعنی "وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی اور حکمتِ بالغہ میں جس طرح ہر ہر فرد کی اجل معین ہے اسی طرح اقوام و ملل کی مہلت بھی پہلے سے طے شدہ ہے، لہٰذا اس کی جانب سے پکڑ اور سزا فوری طور پر نہیں آتی، اور اسے بہرصورت اُس اَجَلِ معیّن تک ڈھیل ملتی رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان ناہنجاروں کے جرائم تو واقعۃً ایسے ہیں کہ اُن کا حساب کبھی کا چکایا جا چکا ہوتا اور اُن کا قصہ کبھی کا پاک کیا جا چکا ہوتا۔ واضح رہے کہ ان الفاظ میں جو زجر و توبیخ اور وعیدِ شدید مضمر ہے اُس کا رُخ دونوں جانب ہے: یعنی یہود اور ان کے علماء کی جانب بھی اور اہلِ مکہ

اوران کے سرداروں کی جانب بھی۔ چنانچہ یہ بات اگلی آیت یعنی آیت مِلا الیں بالکل کھل کر سامنے آگئی یعنی " وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ۔" یعنی " ان سب ہی کو تیرا ربّ ان کے اعمال کا بھرپور صلہ دے کر رہے گا"۔ لفظ "کُل" ویسے تو بہت ہی عام ہے یعنی یہ جزا یا سزا ہر ہر فرد کو بھی ملنے والی ہے اور ہر ہر قوم اور اُمّت کو بھی لیکن یعنی یہاں خاص طور پر مراد ہیں نبی اسماعیلؑ جن میں بعثت ہوئی آنحضورؐ کی جن پر نازل ہوا قرآن حکیم — اور بنی اسرائیل جن کو ملی تھی تورات جو عطا فرمائی گئی تھی حضرت موسیٰؑ کو۔ یہ وعیدِ شدید دو آتشہ ہوگئی ہے آیت کے آخری الفاظِ مبارکہ سے یعنی " اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝" یعنی " یقیناً تیرا ربّ باخبر ہے اس سے جو کچھ کہ یہ کر رہے ہیں" یعنی اس مغالطے میں کوئی نہ رہے کہ ان کے کرتوت کسی کی نگاہ میں نہیں ہیں، یہ اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں ہے۔ بلکہ ایک حکیم و دانا اور علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہستی کا بنایا ہوا محکم نظام ہے جس میں کوئی شے حتّٰی کہ گھاس کا ایک تنکا بھی بے مقصد اور بغیر حکمت نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں جو کچھ ہو رہا ہے۔ عبث اور بے نتیجہ رہنے والا نہیں ہے بلکہ قانونِ مجازات بھرپور طور پر نافذ ہوگا اور ہر ایک کو اپنے کئے کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

الحمد للہ

قرآنی منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس

ہر چہار شنبہ (بدھ) کو ایک گھنٹہ بعد نماز عصر اور ایک گھنٹہ بعد نماز مغرب مسجدِ شہداء میں جاری ہے۔ جو سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع تک پہنچ چکا ہے۔

(۴)

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ط

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (سورۂ ہود آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)

"پس (اے نبیؐ!) آپؐ جمے (اور ڈٹے) رہیں جیسے کہ آپ کو حکم ہوا ہے، اور وہ بھی (جمے رہیں) جنہوں نے توبہ کی روش اختیار کرکے آپ کی معیت اختیار کی ہے۔ اور (کسی بھی معاملے میں) حد سے تجاوز نہ ہو۔ یقیناً جو کچھ تم سب کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اور ہرگز مت جھکو ان لوگوں کی جانب جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے ورنہ تم بھی جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی (دوالیٰ) حامی ہے ہی نہیں چنانچہ تم کو کوئی مدد نہ مل سکے گی۔ اور (اے نبیؐ) آپ قائم رکھیں نماز کو دن کے دونوں سروں پر بھی اور رات کے کچھ حصوں میں بھی، یقیناً نیکیوں ہی سے ازالہ ہوتا ہے بدیوں کا! یہ ایک جامع نصیحت ہے یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لئے! اور ثابت قدم رہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا!" ترجمہ ختم ہوا!

ان آیاتِ مبارکہ میں نہایت جامع ہدایات دی جارہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی اور آپ کی وساطت سے آپ کے ساتھی اہل ایمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اول و آخر خطاب بصیغۂ واحد حاضر ہے لیکن درمیان میں جمع کے صیغے آگئے ہیں — سورۂ ہود کا زمانہ نزول وہ ہے جبکہ مکہ میں ایمان اور کفر کی کشمکش اور نبی اکرمؐ کی دعوت اور کفار مکہ کی مخالفت اپنے آخری نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ جس کے نتیجے میں اہل ایمان

شدید ترین آزمائشوں سے دوچار ہو چکے تھے - اس صورتِ حال میں فطری طور پر دونوں اندیشے موجود تھے — یعنی ایک یہ کہ کوئی نسبتاً کمزور دل مسلمان ہمت ہار جائے اور کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جس سے نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کی ہوا خیزی ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی نسبتاً زیادہ جوشیلا مسلمان ردّ عمل کے طور پر کسی نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھے جس سے اس اخلاقی ساکھ کو نقصان پہنچے جو برس ہا برس کے صبر و استقامت اور شائستگی اور حسنِ اخلاق و حسنِ معاملت سے قائم ہوئی تھی - گویا کہ صبر و استقامت کی دونوں پہلوؤں سے ضرورت تھی۔ اس پہلو سے بھی کہ تشدد یعنی PERSECUTION سے بددل نہ ہو جائے۔ اور بہ ”ہرچہ بادا باد، کشتی درآب انداختیم“ کے انداز میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ جھیلا جائے جو کچھ بھی بیتے جیسے کہ وارد ہوا ہے سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی نصائح میں کہ ”وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ“ — ”اور جھیلو اور برداشت کرو جو بھی تم پر بیتے، یقیناً یہ بہت ہمت کے کاموں میں سے ہے!“ یعنی اس راہ میں پہلا قدم ہی خوب سوچ سمجھ کر رکھنا چاہئے کہ یہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے - بقول شاعر

دررہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بسے، شرطِ اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی!!

— اور اس پہلو سے بھی کہ کہیں جوش یا جذبے سے مغلوب ہو کر RETALIATION کی راہ نہ اختیار کر لی جائے - اس لئے کہ ابھی دعوتِ نبویؐ کے ضمن میں PASSIVE RESISTANCE بالفاظِ دیگر 'مقابلہ استقامی' کا دور ہے نہ کہ ACTIVE RESISTANCE یا 'مقابلہ اقدامی' کا — یہی وجہ ہے کہ آیاتِ زیرِ درس میں پہلا لفظ ہی ”فَاسْتَقِمْ“ کا وارد ہوا کہ اے نبیؐ! اور اے مسلمانو! جمے اور ڈٹے رہو“ ”كَمَا اُمِرْتَ“ یعنی جیسے اور جس طرح حکم ملا ہے - یعنی تمہارے پائے ثبات میں اس مخالفت شدیدہ کی وجہ سے کوئی لغزش نہ پیدا ہونے پائے“ ”مَنْ تَابَ مَعَكَ“ کے الفاظ مبارکہ میں نہایت شفقت اور التفات کا انداز ہے صحابہ کرامؓ کے حق میں - چنانچہ ایک جانب ان کے کفر یا شرک یا غفلت سے تائب ہونے پر ان

کی تحسین ہے اور دوسری جانب آنحضورؐ کی معیت میں ان کے لئے جو سرمایۂ صد افتخار ہے اس کی جانب اشارہ ہے۔ بقول شاعر: "یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ ہر مدّعی کے واسطے دار و رسن کہاں!" ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ دوسرے اندیشے کے سدّباب کیلئے فرمایا" وَلَا تَطْغَوْا " طغیٰ یطغیٰ، کے معنی ہیں حد سے تجاوز کر جانا جیسے کہ اردو کے اس مصرعے میں آیا کہ ؎ " دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام!" اس مقام پر "طغیان" سے مراد بعض حضرات نے مقامِ بندگی سے تجاوز یا حدودِ دین سے باہر نکل جانا لیا ہے۔ لیکن اس کا اصل مفہوم سورۃ نساء کی آیت ۷۷ کے ان الفاظ کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ " اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ " یعنی "کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو!" — یعنی اپنی مدافعت تک میں ہاتھ نہ اٹھاؤ بلکہ جھیلو اور برداشت کرو جو ایذائیں بھی تمہیں پہنچائی جائیں۔ عملِ انقلاب اور اس کے مختلف مراحل اور اُن کے مختلف ہی نہیں بظاہر متضاد تقاضوں پر نگاہ نہ ہونے کے باعث قرآن حکیم کے اس مقام کی اہمیت اکثر و بیشتر نظر انداز ہو گئی ہے۔ مسلمان جب تک مکے میں رہے انہیں کسی جوابی کارروائی کی اجازت نہ تھی اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں حد درجہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا صحابہ کرامؓ نے کہ دہکتے انگاروں پر برہنہ پیٹھ لٹا ئے جانے کو بھی انہوں نے گوارا کر لیا لیکن اپنی مدافعت میں ہاتھ تک نہ اٹھایا۔ ورنہ بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس طرح کا

انسان کم از کم آٹھ دس انسانوں کو مار کر ہی مرتا ہے۔ بعض روایات کی رُو سے صرف ایک واقعہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی جانب سے ہوا کہ انہوں نے ابوجہل کے تھپڑ مارنے پر ایک جوابی تھپڑ رسید کر دیا تھا جس کا آنحضورؐ کی جانب سے سرزنش ہوئی۔ ورنہ لوگوں نے جانیں دیدینا گوارا کر لیا لیکن آنحضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی یعنی ڈسپلن توڑنے کا معاملہ نہ کیا۔ آخر میں اس ضمن میں قدرے تاکیدی انداز میں تنبیہ فرما دی گئی کہ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" یعنی تمہارا پورا طرزِ عمل اللہ کی نگاہ میں ہے — اس معاملے کا دوسرا رُخ یہ ہو سکتا تھا

کہ کسی بددلی یا کم ہمتی کے باعث یا اعزّہ و اقارب اور سابق رفقاء و احباب کے سمجھانے بجھانے اور ان کے ظاہری خلوص و اخلاص سے متاثر ہو کر یا کنبے قبیلے والوں اور قریبی رشتہ داروں کی فطری و طبعی محبت کے زیر اثر ان کی جانب کوئی جھکاؤ یا میلان پیدا ہو جاتا۔ چنانچہ اس کے ضمن میں متنبہ فرمایا گیا کہ :۔ " وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ یعنی " خبردار! ان لوگوں کی جانب کوئی میلان تمہارے اندر نہ پیدا ہونے پائے جنہوں نے ظلم یعنی شرک کا ارتکاب کیا۔ اگر ایسا ہوا تو تم بھی آگ کی لپیٹ میں آکر رہو گے اور اللہ کو چھوڑ کر نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار"۔ یہ بات سورۂ زمر میں براہ راست آنحضورؐ سے مخاطب ہو کر جن دو ٹوک الفاظ میں کہی گئی ہے۔ اس کے بعد " تا بہ دیگراں چہ رسد ؟ " والا معاملہ بخوبی سامنے آجاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :۔ " وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ " یعنی " اے نبی! یہ بات آپ کی جانب بھی پہلے ہی وحی کی جا چکی ہے اور ان تمام انبیاء و رُسل کی جانب بھی جو آپ سے پہلے مبعوث ہوئے کہ اگر آپ نے بھی (بالفرضِ محال) شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے بھی تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اور آپ بھی خسارہ پانے والوں میں شریک ہو جائیں گے!" معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! —— اس دو طرفہ صبر و استقامت کے لئے اصل سہارا ظاہر بات ہے کہ اللہ کی ذات ہے جیسے کہ سورۂ نحل کی آیت ۱۲۷ میں ارشاد ہوا کہ " وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ " یعنی " صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ ہی کے سہارے قائم ہے!" تو اس کے لئے ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مضبوط اور زندہ قلبی تعلق کی۔ جس کا سب سے اہم ذریعہ ہے نماز۔ چنانچہ آگے اسی کی تاکید ہوئی کہ " وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ " یعنی " نماز کو قائم رکھو ان کے دونوں سروں پر بھی اور رات کے حصّوں میں بھی"۔ ان الفاظ میں نمازوں کے اوقات کی جانب بھی لطیف اشارے موجود ہیں لیکن اصل مراد یہ ہے کہ دن رات کے تمام اہم اوقات بالخصوص وہ

جن میں غفلت زیادہ شدّت سے حملہ آور ہوتی ہے یادالٰہی سے آباد رہیں، نماز اور صبر کا یہ تعلق سورۃ بقرہ میں دو مواقع پر نہایت نمایاں ہو کر آیا ہے - ایک آیت ۴۵ میں بنی اسرائیل یعنی سابقہ اُمّت مسلمہ سے خطاب میں یعنی " وَاستعینوا بالصبر والصّلوٰۃ وَانّھا لکبیرۃٌ الاّ علی الخاشعین الذین یظنّون اَنّھم مُلقوا ربّھم وانّھم الیہ راجعون ٥" یعنی مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے - یقیناً وہ بہت بھاری ہے سوائے ان پر جو یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے ربّ سے ملاقات کرنی ہے اور انہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"! اور دوسرے آیت ۱۵۳ میں مسلمانوں یعنی حالیہ اُمّتِ مسلمہ کے خطاب میں یعنی " یا ایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اِنّ اللہَ مَعَ الصّٰبرین ٥" یعنی " اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے - واقعہ یہ ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے " یعنی اللہ کی تائید ونصرت صبر کرنے ولوں کے شاملِ حال ہوتی ہے - یہی بات آیاتِ زیرِ درس میں آخری آیت ۱۱۵ میں آرہی ہے - کہ" وَاصبِر فَاِنّ اللہ لا یُضیعُ اَجرَ المُحسِنین ٥" یعنی" صبر کرو - اور جان رکھو کہ اللہ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں فرماتے"- اَللّٰھُمّ رَبّنا اجعلنا منھم - اے اللہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما! - درمیان میں نماز کے بارے میں بڑے پیارے انداز میں یہ قاعدہ کلّیہ ارشاد فرمایا: کہ" اِنّ الحسنٰتِ یُذھِبنَ السّیّاٰتِ،، یقیناً نیکیاں ہی بدیوں کو دُور کرسکتی ہیں - یہی انداز سورۃ حٰم السجدہ میں ہے کہ" وَلاَ تستوی الحسنۃُ وَلا السیئۃ ادفع بالّتی ھِیَ اَحسَن " " نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتی - لہٰذا تم مدافعت کرو اس طور سے جو بہت ہی عمدہ ہو!" — مزید ارشاد ہوا" ذالک ذکریٰ للذّاکرین " یہ نہایت جامع نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے!! دوبارہ دُعا ہے : اللّٰھم ربّنا اجعلنا منھم -

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ٥

ڈاکٹر اسرار احمد

چھٹی قسط

تعارفِ الکتاب

سترہواں پارہ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا سترھواں پارہ اِقْتَرَبَ کے نام سے موسوم ہے اور یہ پورے قرآن مجید میں منفرد ہے اس اعتبار سے کہ اس کے نصف اوّل میں بھی ایک مکمل سورۃ وارد ہوئی ہے اور نصف ثانی میں بھی۔ یعنی سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج سورۃ الانبیاء اپنے مضامین کے اعتبار سے سورۃ مریم سے بہت مشابہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں بھی ایک کثیر تعداد میں انبیاء کرام کا ذکر ہے۔ اور وہ ان کی ذاتی شخصیت اور اس کی عظمت کے پہلو سے۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی سورۃ مریم ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر عین وسط میں وارد ہوا ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں تو انسانوں کی غفلت کا ذکر ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ

لوگوں کے لئے ان کا محاسبہ ان کے بالکل سروں پہ آچکا ہے یعنی موت کا کچھ علم نہیں کہ وہ کب آئے اور جیسا کہ حضور نے فرمایا۔

"جس کی موت واقع ہوگئی اس کی تو قیامت قائم ہوگئی

لیکن لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ وہ غفلت ہی میں انکار کی روش پر اڑے رہتے ہیں اس سورۃ مبارکہ میں بھی وہ مضمون ایک مرتبہ پھر آیا ہے۔ جو اس سے پہلے سورۃ مریم میں بڑی تفصیل سے آچکا ہے۔ اور اجمالاً اس کی طرف اشارہ سورۃ طٰہٰ میں بھی ہوا ہے۔ فرمایا گیا۔ خلق الانسان من عجل ط انسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اس میں عجلت پسندی جزو لاینفک کی حیثیت سے

موجود ہے ۔ انسان چاہتا ہے کہ جو بھی کام کرنا ہو جلد از جلد کر لے حالانکہ ہر کام کیلئے ایک تدریج معین ہے اور اس کے مراحل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تکمیل کے لئے انسان کو کوشاں ہونا چاہیئے ۔ اس سورۃ مبارکہ میں وہ آیہ کریمہ بھی وارد ہوئی جو اپنی غلطی کے اعتراف اور اللہ سے عفو و درگذر کی درخواست کے پہلو سے ۔ قرآن مجید کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے ۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا قول ۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہ

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے برتر ہے اور عالی ہے اور منزہ ہے اور ارفع ہے ہر عیب سے ہر کمی سے ہر نقص سے ہر احتیاج اور ضعف سے ۔ انی کنت من الظلمین ۔ یہ میں ہی تھا ۔ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا ۔ یہ آیت کریمہ جیسا کہ عرض کیا گیا ۔ استغفار اور اللہ تعالٰے سے عفو اور درگذر کے طالب ہونے کے اعتبار سے بڑی ہی جامع اور موثر دعا کی حیثیت رکھتی ہے ۔ سورۃ انبیاء ہی وہ عظیم آیت وارد ہوئی ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس سے پہلے ایک موقع پر یہ عرض کیا جا چکا ہے ۔ کہ نبوت اور رسالت رحمت خداوندی کے مظہر ہیں ۔ اور یہ نبوت اور رسالت چونکہ مکمل ہو گئے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ۔ تو گویا کہ آپؐ اللہ تعالٰے کی رحمت کے مظہر ہیں ۔ اور چونکہ آپ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہوئی اس لئے آپ کا دورِ رسالت تا قیامِ قیامت جاری ہے ۔ لہٰذا فرمایا گیا ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ

سورہ الحج بھی قرآن مجید کی ایک بہت اہم اور بہت جلیل القدر سورۃ ہے اس کے عین وسط میں مناسکِ حج کا ذکر ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے ۔ اور مناسک حج میں سے طوافِ بیت اللہ اور بالخصوص قربانی کا بہ تکرار ذکر ہوا ہے اور قربانی کے ذکر کے ضمن میں وہ لفظ بھی وارد ہوئے کہ:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ۔ اے لوگو اللہ تک تمہاری قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون اللہ تک پہنچنے والی چیز تو تقویٰ ہے اگر وہ موجود ہو۔ اگر دل تقویٰ سے خالی ہو۔ چاہے کوئی شخص ہزاروں روپے کا جانور اللہ کی راہ میں قربان کر دے اس کے میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ اللہ اصل میں لوگوں کے دلوں کی طرف دیکھتا ہے۔ کہ ان میں تقویٰ خشیتِ الٰہی اور محبت خداوندی موجود ہے یا نہیں۔

سورۂ حج کے آغاز میں قیامت کا ذکر بڑے پر ہیبت انداز میں ہوا ہے۔:-

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ہ اے لوگو اپنے ربّ سے ڈرتے رہو۔ اس کی پکڑ سے بھی بچتے رہو۔ واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی مہیب ہوگا۔ اس کے بعد اس کا تفصیلی نقشہ کھینچا گیا۔ سورۃ الحج کے آخر میں مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ہ اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ اور اپنے ربّ کی پرستش کرو۔ اور اس کی بندگی کرو۔ اسکی کامل اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور بھلے کام کرو۔ نیک کام کرو۔ خلقِ خدا کی بہتری کے لئے کوشاں رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ۔ اللہ کی راہ میں محنت کرو۔ جدوجہد کرو۔ کوشش کرو۔ سعی کرو۔

اور اس جدوجہد کا ہدف کیا ہے۔ لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ط۔ کہ رسول ہو جائیں گواہ تم پر جس طرح دین کی تبلیغ تم تک کی۔ قرآن تم تک پہنچا دیا۔ اللہ کی طرف سے حجت تم پر قائم کر دی۔ اسی طرح تم قرآن کو پہنچاؤ۔ اور دین کی تبلیغ کرو۔ پوری نوع انسانی کو۔ اور حجت قائم کر دو اللہ کی توحید کی گواہی دے دو۔ بقول علامہ اقبالؒ:-

دے تو بھی محمد کی صداقت کی گواہی

سورۃ الحج میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا ہے - وہ اہل ایمان کیلئے قتال کی اجازت ہے - اس سے پہلے اہل ایمان کو اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی حکم تھا ماریں کھاؤ - تشدد کو جھیلو - مصائب برداشت کرو - لیکن اپنی مدافعت میں بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن اب ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اجازت مل گئی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِم لَقَدِیْرُ ۨ ۙ - اہل ایمان کو اجازت دی جارہی ہے جن پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے - اور بلاشبہ ان کو غالب کردینے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے -

---

اٹھارواں پارہ ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کے اٹھارہویں پارے میں جو قَدْ اَفْلَحَ کے نام سے موسوم ہے - دو سورتیں پوری پوری شامل ہیں - یعنی سورۃ المومنوں اور سورۃ نور - اور آخر میں بیس ابتدائی آیات سورۃ الفرقان کی شامل ہیں -

سورۃ المومنون اپنے مضامین کے اعتبار سے ان مکی سورتوں سے مشابہت رکھتی ہے جن میں تفصیل کے ساتھ اللہ کے رسولوں اور ان کی امتوں کے حالات بیان ہوئے ہیں - خاص طور پر اس پہلو سے کہ جن قوموں کی طرف اللہ نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا - انہوں نے جب انکار اور کفر کی روش اختیار کی تو اللہ تعالےٰ نے انہیں ہلاک ونیست ونابود کردیا - انبیاء ورسل کے اس ذکر میں ایک آیت

مبارکہ بڑی عجیب وارد ہوئی ہے ۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ٥

نبیوں اور رسولوں سے اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم ایک ہی اُمت ہو۔ اُمتِ واحدہ کے افراد ہو۔ اور میں تم سب کا رب ہوں پروردگار خالق اور پالن ہار۔ پس میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ گویا یہ انبیاء کی وساطت سے اصل میں ان کی امتوں سے خطاب ہوا ہے کہ اگر کوئی حضرت مسیح کا نام لیوا ہے۔ یا کوئی اگر حضرت موسیٰ کا نام لیوا ہے ۔ تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی جداگانہ ملتیں تھیں یا جدا دین تھے ۔ بلکہ یہ وہی دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے ۔ اور جو بالآخر کامل ہوا ہے محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر۔ سورۃ المومنون کے آغاز میں اہل ایمان کے کچھ اوصاف بیان ہوئے اور درحقیقت ان کے پردے میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان کے سیرت و کردار کی صحیح تعمیر یا علامہ اقبال کی اصطلاح میں تعمیر خودی کے لئے لازمی اساسات کیا ہیں۔ فرمایا گیا ۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ٥

کامیاب ہو گئے اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں جو لے کار اور لغو باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ جو تزکیہ نفس پر کاربند رہتے ہیں۔ اور اس کے لئے مسلسل کوشاں رہتے ہیں۔ جو اپنی خواہش نفس بالخصوص جنسی شہوت کو قابو میں رکھتے ہیں ۔ اور اس کی تسکین کے لئے کوئی ناجائز راستہ تلاش نہیں کرتے جو اپنے عہد پر کاربند رہنے والے اور امانتوں کو ادا کرنے والے ہیں"۔ اور آخر میں پھر فرمایا ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ٥

" وہ کہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔

ان اوصاف کی ابتدا اور انجام دونوں میں نمازوں کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا کہ تعمیرِ سیرت کا یہ پروگرام شروع بھی نماز سے ہوتا ہے - اور اسکی معراج بھی نماز ہی ہے - پھر دلنشین پیرائے میں آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی - اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ۔
کیا تم نے یہ گمان کیا ہے اے لوگو کہ ہم نے تمہیں بے کار اور عبث پیدا کیا اور تم ہماری طرف واپس نہ آؤ گے - تمہیں ہماری طرف واپس لوٹایا نہ جائے گا -" یعنی اگر کسی کا خیال یہ ہے کہ زندگی بس یہی زندگی ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی   اور زندگی کے اعمال کا کہیں کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو گویا وہ اس تخلیق کو عبث قرار دے رہا ہے -

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ

تو اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے - وہ تمہارے اس گمان سے بہت بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے - اس کی حکمت سے یہ چیز کسی بھی طرح سے لگا نہیں کھاتی کہ وہ انسانوں کو بے مقصد اور بے کار پیدا کرے -

اس کے بعد سورۃ نور آتی ہے - یہ عظیم سورۃ ہے قرآن مجید کی - نور کوعوں پر مشتمل اور اس کے عین وسط میں یعنی پانچواں رکوع آیاتِ نور پر مشتمل ہے

اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ -

آسمانوں اور زمین کا نور اللہ ہے - اللہ ہی کو پہچانو گے تو اس کائنات کی حقیقت بھی تم پر منکشف ہو گی اور خود اپنی عظمت سے بھی آگاہ ہو سکو گے - اللہ کا یہ نور بندۂ مومن کے قلب میں نورِ ایمان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے - اور اس کی یہ تمثیل دی گئی ہے - کہ یہ نور ایمان نور فطرت نورِ عقل سلیم اور نور وحی کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے - نورٌ علیٰ نور - جب نور فطرت پر نور وحی کا اضافہ ہو جائے - تو یہ نور پر نور ہے - روشنی ہی روشنی ہے - اس کے بالعکس اس کے بالمقابل اور برعکس کیفیت ہے ان لوگوں کی جو اس نور ایمان سے محروم ہیں ان کی زندگیوں میں اگر کوئی چیز ہے بھی تو وہ صرف دکھاوے کا

خیر۔ ریاکاری کی نیکی ہے۔ جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں۔ اور یا پھر وہ لوگ ہیں کہ جن کی کیفیت ہے۔

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط

صرف نفس پرستی مفاد پرستی یا یوں کہیئے کہ خود پرستی ہی ان کی زندگی کا مقصود و مطلوب ہے کوئی خیر کوئی بھلائی یہاں تک کہ جھوٹ موٹ کی نیکی کا کوئی ملمع بھی ان کی زندگی میں موجود نہیں ہے۔

یہ پانچواں رکوع حکمتِ قرآنی کا ایک اہم خزانہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد سورۃ نور میں بالخصوص مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور اسلام کا معاشرتی نظام بیان ہوا۔ کہ اسلامی معاشرہ ایک مخلوط معاشرہ نہیں ہے۔ اِس میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول پسندیدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ کوئی حقیقی ضرورت لاحق ہو تو اور بات ہے۔ ستر کا حکم دیا گیا، حجاب کے احکام آئے گھروں میں مردوں اور عورتوں کو جس طرح رہنا چاہیئے۔ اس کے تفصیلی حکم دیئے گئے۔ انہی چیزوں سے متعلق واقعات بھی اس سورۃ مبارکہ میں آئے چنانچہ واقعہ اِفک بیان ہوا۔ حضرت عائشہ پر جو تہمت لگی عبداللہ بن اُبیّ رئیسُ المنافقین کی سازش سے جس میں بعض تازہ نومسلم بھی شامل ہوگئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کیلئے زنا کی حَد بھی بیان ہوئی اور اگر کوئی کسی پر زنا کی جھوٹی تہمت لگا دے تو اس کی حد یا اس کی سزا یعنی حَدِ قذف کا بیان بھی ہوا۔ ساتھ ہی اس کا قانون، بھی بیان ہوا۔ الغرض معاشرتی زندگی کے متعدد پہلو ہیں، جو اس سُورۃ مبارکہ میں زیرِ بحث آئے ہیں اور جس میں مسلمانوں کو تفصیلی احکامات دیئے گئے ہیں۔ کہ مُسلمانوں کو اپنی معاشرت کن اُصولوں پر استوار کرنی ہے۔ سورۃ فرقان کا آغاز اس عظیم آیت سے ہوتا ہے جس میں حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبتِ عبدیت پر زور دیا گیا۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ

بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمایا الفرقان یعنی وہ قرآن مجید جو حق اور باطل کے درمیان کھلا کھلا امتیاز کر دینے والا ہے۔ ——— اس لئے کہ وہ خبردار کرنے والے بن جائیں آگاہ کر دیں تمام جہاں والوں کو۔ حق بھی واضح کر دیں۔ اور باطل بھی کھول کر بیان کر دیں۔ جو سچائی کا راستہ ہے۔ صراطِ مستقیم۔ اس کو بھی پوری طرح بیان فرما دیں۔ اور واضح فرما دیں اور جو کجی کی پگڈنڈیاں ہیں۔ ان سے بھی لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں یہ مضمون بھی وارد ہوا کہ کفار یہ اعتراض کیا کرتے تھے، حضور اکرم صلعم پر۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط یہ کیسے رسول ہیں۔ یہ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ بازاروں میں بھی چلتے ہیں یہ تو عام انسانوں کی مانند ہیں۔ جواب دیا گیا کہ

"اے نبی ان سے کہئے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے نبی مبعوث کئے جتنے رسول بھیجے وہ سب اسی طرح کھانا بھی کھاتے تھے۔ اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔ وہ بھی اسی طرح بشریت سے متصف تھے۔"

انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالٰے کی سنت یہی رہی ہے کہ انسانوں کو مبعوث کیا۔ جو ان ہی میں سے ہو۔ جو انہی کی زبان بولتے ہوئے آئیں جن کے ساتھ زندگی کے تمام وہ لوازم لگے ہوئے ہوں جو تمام انسانوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کے باوجود وہ اپنی زندگی میں صداقت اور راستی، عدل و انصاف، حق پرستی خدا کی بندگی۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کا ایک کامل نمونہ پیش کر کے ابنائے دنیا پر حجت قائم کر دیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کا بندہ بن کر رہنا ممکن ہے۔ اور اس کا بیّن ثبوت انبیاء کرام کی زندگیاں ہیں۔ اللہ تعالٰے ہمیں ان کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انیسواں پارہ

وَقَالَ الَّذِیْنَ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا انیسواں پارہ وَقَالَ الَّذِیْنَ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اوّلاً سورۃ الفرقان کی بقیہ ستاون آیات شامل ہیں پھر سورۃ شعرآء مکمل اور آخر میں سورۃ نمل کی ابتدائی انسٹھ آیات شامل ہیں۔ سورۃ الفرقان کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے اس میں وہ عظیم آیت بھی آئی ہے۔ جس میں حضورؐ کی فریاد نقل ہوئی ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔

اس آیت کا براہ راست تعلق اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت سے ہے کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو بھیجا ہی اس لئے اور اسی لئے ان پر کتاب نازل فرمائی: نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ کہ وہ تمام جہان والوں کو خبردار کر دیں لیکن جب نبی اکرمؐ نے لوگوں کو قرآن کے ذریعے دعوت دی اور انہوں نے انکار کی روش اختیار کی تو فریاد کے یہ الفاظ حضورؐ کی زبان پر وارد ہوئے کہ اے رب میری اس قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔ اس کی طرف ملتفت نہیں ہو رہی۔ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے حواشی میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ ان آیات میں اگرچہ اصل ذکر کفار کا ہے لیکن مسلمانوں میں سے بھی وہ لوگ جو قرآن مجید سے بے اعتنائی برتیں۔ اس کی طرف پڑھنے کے لئے متوجہ ہوں اور نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں نہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوشاں ہوں اور نہ اسے دوسروں تک پہنچانے کا فرض منصبی پورا کریں تو یہ سب لوگ بھی درجہ بدرجہ اس آیت کے حکم میں

شامل ہوں گے ۔ اسی سورۂ مبارکہ میں وہ عظیم آیت بھی آئی ۔ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىہُ ط اے نبی کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت پر غور کیا جنہوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ۔ معلوم ہوا شرک کی یہی صورت نہیں ہے کہ بُت کو پوجا جائے یا ستاروں کی پرستش کی جائے اپنی خواہشات نفس کی پوجا، شہوات نفسی تقاضوں کو بجا لانے پر کمربستہ ہو جانا بھی شرک ہی کی ایک صورت ہے ۔ ان تقاضوں کی ادائیگی کو کون سی شکل اللہ نے جائز اور کون سی صورتیں ناجائز ٹھہرائی ہیں ، اگر کوئی شخص اس کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کر رہا ہے تو گویا اس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے ۔ سورۃ الفرقان کے آخر میں وہ آیات وارد ہوئیں جن میں اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب بندوں کے اوصاف بیان کئے ۔ سورۂ المومنون کے آغاز میں وہ بنیادی اساسات واضح کی گئی تھیں کہ جن پر بندہ مومن کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے گویا کہ وہ نقطۂ آغاز تھا ۔ اور سورۂ الفرقان کے آخری رکوع میں اس کا تکمیلی مرحلہ بیان ہو رہا ہے ۔ ایک پختہ بندہ مومن کی شخصیت کے خدوخال کیا ہیں ۔ بقول علاّمہ اقبالؒ

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

وہ پختگی کیا ہے ۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ط

اس پورے رکوع میں اللہ نے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کے اوصاف گنوائے اور انہیں عباد الرحمٰن کا خطاب دیا ۔ اللہ تعالٰے ہمیں بھی انہی اوصاف کا ایک عکس اپنی سیرتوں اور شخصیتوں میں پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اس کے بعد سورۃ شعراآتی ہے اس سورۃ مبارکہ میں اولوالعزم من الرسل کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے ۔ قدرے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت موسٰیؑ کے حالات بیان ہوئے پھر حضرت ابراہیمؑ کے ۔ اس کے بعد جو ترتیب کہ عام طور مکی سورتوں

میں ہوتی ہے یعنی حضرت نوحؑ پھر حضرت ہودؑ پھر حضرت صالح پھر حضرت لوطؑ اور پھر حضرت شعیبؑ ان حالات میں خاص طور پر اسی پہلو کو واضح کیا گیا کہ یہ سب اللہ کی بندگی کی دعوت لے کر آئے - اللہ کی بندگی اختیار کرو اسی کی غلامی اختیار کرو لیکن ان کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا لہٰذا وہ نیست و نابود کر دی گئیں - انہیں ہلاک کر دیا گیا - ہر رسول کے حالات بیان کرنے کے بعد یہ الفاظ بار بار تکرار کے ساتھ آئے - اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً اس میں ایک نشانی ہے -

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں تھے اس میں گویا تسلی ہے تشفی ہے آنحضورؐ کو کہ آپ بھی دل گرفتہ نہ ہوں ان کفار کے انجام سے غمگین اور ملول نہ ہوں - چنانچہ آغاز ہی میں اس سورۃ مبارکہ کے یہ الفاظ آئے - لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ اے نبیؐ کیا آپ اپنے آپکو غم اور صدمے سے ہلاک کر لیں گے - اگر وہ ایمان نہیں لائے تو آپؐ کو غمگین نہیں ہونا چاہیئے یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں - یہ ان ہی قوموں کی روش پر چل رہے ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہا ہے اور اب یہ خود بھی اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اس انجام کا مستحق بنا چکے ہیں - سورۃ شعراء کے بعد سورۃ النمل وارد ہوتی ہے - اس میں بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح آفاق و انفس کے شواہد فطرت کے محکم دلائل کی بنیاد پر توحید کی دعوت، آخرت کا اثبات اور نبوت و رسالت کو ماننے اور نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کی دعوت وارد ہوئی ہے - اس میں حضرت داؤدؑ کا ذکر بھی ہے، حضرت سلیمانؑ کا بھی اور ملکہ سبا کے ساتھ جو حالات و واقعات پیش آئے - ان کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ بھی اس ضمن میں ایک آیت وارد ہوئی کہ جب ملکہ سبا کے تخت کو حضرت سلیمانؑ کے ایک درباری نے چشم زدن میں یمن سے منگوا کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھوا دیا تو ان کی

زبان پر یہ الفاظ آتے ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ "یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے وہ مجھے آزما رہا ہے کہ ان احسانات اور ان انعامات پر میں ان کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں" یہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کو ہم نے اپنی بدعملی سے اور بدکرداری سے اور اپنی ڈھٹائی سے بدنام کر دیا ہے۔ چنانچہ حرام کی کمائی سے بنائی ہوئی عمارتوں پر ہم ان الفاظ کو کندہ کرواتے ہیں۔ اہتمام کے ساتھ لکھواتے ہیں ھذا من فضل ربی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اس طرزِ عمل سے نعوذ باللہ من ذالك۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ ہی گویا ہماری بداعمالی کی ایک علامت بن گئے ہیں۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے اور حلال پر کاربند رہنے حلال پر اکتفا کرنے اور حرام سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیسواں پارہ

اَمَّنْ خَلَقَ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید کا بیسواں پارہ "اَمَّنْ خَلَقَ" کے نام سے موسوم ہے اور اس میں پہلے سورۃ النمل کی بقیہ چونتیس آیات شامل ہیں۔ پھر سورۃ القصص مکمل اور آخر میں سورۃ عنکبوت کی پہلی چوالیس آیات شامل ہیں۔ سورۃ نمل کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے۔ اس میں اکثر و بیشتر وہی مضامین اسلوب اور اندازِ بیان کے کسی قدر فرق کے ساتھ وارد ہوتے ہیں جو اکثر مکی سورتوں میں آتے ہیں۔ یعنی آفاق انفس کے شواہد اور دلائل فطرت سے توحید باری تعالےٰ۔ آخرت اور نبوت و رسالت کا اثبات بالخصوص ایمان بالآخرت پر اس سورۃ مبارکہ میں بہت زور ہے۔ اس ضمن میں منکرین آخرت کے طرزِ عمل پر ایک بھرپور تبصرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ قف بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا قف

بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُوْنَ ۝

ان لوگوں کا علم و فہم - انکی دانش - ان کا شعور اور ان کی سمجھ - سب تھک ہار کر رہ گئے - آخرت کے بارے میں یعنی آخرت تک ان کی رسائی نہیں ہو پا رہی - وہ آخرت کے باب میں تو بالکل اندھے ہوگئے ہیں انہیں بالکل نہیں سوجھ رہا کہ ان کی اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد ہوگی - ان کا وہ انجام جس سے بہرحال ان کو دوچار ہوکر رہنا ہے آخرت کے ساتھ وابستہ ہے - اس کے بعد سورۃ قصص وارد ہوتی ہے - اس سورۃ مبارکہ کا تقریبًا نصف حصہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہے اس میں بالخصوص اُن کے بچپن کے حالات اور عنفوان شباب کے حالات اور پھر ان کی زندگی کا وہ دَور بھی جب کہ وہ نبوّت سے سرفراز ہونے سے قبل فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے قتل یا تشدد کے اندیشہ سے مصر سے فرار ہوکر مدین پہنچے تھے - جب وہ مدین پہنچے تو بستی سے باہر ایک کنوئیں کے پاس بیٹھ گئے اور اس حال میں کہ انتہائی درماندہ تھکے ہوئے اور ایک ایسی سرزمین میں جہاں کوئی جاننے پہچاننے والا نہیں - اس وقت ان پر جو احتیاج کی کیفیت تھی اس کی شدت کا اظہار ہوا ان الفاظ میں کہ جو ان کی زبان پر دعا کی صورت میں وارد ہوئے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝ اے ربّ میں ہر چیز کا محتاج ہوں جو بھلائی اور جو خیر بھی تو میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا ضرورت مند ہوں - یہ ایک انسان کا جو معاملہ اپنے ربّ کے ساتھ ہونا چاہیئے - احتیاج اور انکساری اور عاجزی کا جو انداز اسے اختیار کرنا چاہیئے اسکی تعبیر کے لئے بہت ہی جامع الفاظ ہیں - سورۃ قصص میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر بھی ہوا ہے - جس کا نام قارون تھا - اور جو بہت دولت مند تھا - یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کا غدار تھا اگرچہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا لیکن بنی اسرائیل پر ستم اور ظلم ڈھانے میں وہ فرعون اور آل فرعون کا آلۂ کار بنا ہوا تھا - اور غالبًا اسی وجہ سے حکومت وقت کی اس پر نگاہِ کرم تھی - اور اسی بنا پر اس کے پاس اتنی بے اندازہ دولت جمع ہوگئی تھی کہ اس خزانے کی کُنجیاں

اٹھانے کے لئے بھی کئی لوگ درکار ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ بیان ہوئی کہ جب بنی اسرائیل کے کچھ نیک دل لوگوں نے اس سے یہ کہا:۔ "أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ" کہ اے اللہ کے بندے جس طرح خدا نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تجھے دولت سے نوازا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کر۔ اور لوگوں کی احتیاجات دور کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کر۔ اس کا جواب اس نے انتہائی متکبرانہ انداز میں دیا۔ أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ میں نے یہ دولت اپنی ذہانت اور فطانت سے حاصل کی ہے۔ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے اس کو میں نے اپنی کوششوں سے حاصل کیا ہے۔ تو میں اسے دوسروں پر کیسے صرف کروں۔ یہ درحقیقت کسی بھی متکبر اور مغرور اور برخود غلط شخص جس کے پاس دولت آگئی ہو، کی ذہنیت کی عکاسی کرنے والے الفاظ ہیں۔ ساتھ ہی ایک اور نقشہ بھی سامنے لایا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ اسکی دولت پر رشک کرتے تھے ———— ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ "يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ" کاش ہمارے پاس بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا۔ لیکن جب اللہ کی پکڑ قارون پر آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تو وہی لوگ جو کل تک تمنا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی قارون ہی کی طرح کی دولت ہوتی انہوں نے یہ الفاظ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہم پہ نہ ہوتا تو ہم بھی زمین میں دھنس گئے ہوتے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کو ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ مال و اسباب دنیوی درحقیقت اللہ کی رضا کی علامت نہیں ہیں۔ اللہ کبھی یہ چیزیں دے کر کسی کو آزماتا ہے اور جب کوئی شخص ناکام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ اسے اسی دنیا میں ہی آلیتی ہے۔ اور کبھی اس کا معاملہ آخرت کے لئے اٹھا رکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ العنکبوت آتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں تمام تر خطاب

کا رُخ مسلمانوں کی طرف ہے اور اس کا اہم ترین مضمون یہ ہے کہ مسلمانو! مشکلات و مصائب اور شدائد و تکالیف سے دل برداشتہ نہ ہو۔ یہ ہماری حجت سابقہ ہیں۔ یہ ہمارا ہمیشہ کا طریقہ رہا ہے کہ جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہے ہم نے اسے آزمایا ہے۔ یہ آزمائش اس راہ میں لازمی شے ہے۔ اس لئے کہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون واقعی مومن ہے اور کون جھوٹ موٹ کا مومن بنا پھرتا ہے۔ فرمایا

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ہ کیا لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں صرف یہ کہنے پر کہ وہ ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائیگا۔ آگے چل کر اسی بات کو اور کھول دیا گیا۔
وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ہ۔

اور اللہ تعالےٰ بالکل کھول دے گا کہ کون ہے مومن صادق اور کون ہے منافق۔ اہل ایمان مومنین صادقین اور منافقین کے مابین امتیاز اسی آزمائش کے طفیل ممکن ہے۔ اسی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو سکتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں قصص الانبیاء و رُسل بھی بیان ہوئے۔ لیکن اس میں بھی اصل پہلو یہی ہے کہ مسلمانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس راستے پر تم چل رہے ہو یہ پھولوں بھرا راستہ کبھی نہ تھا۔ یہ ہمیشہ کانٹوں بھرا رہا ہے۔ ہمارے نبیوں نے ہمارے رسولوں نے صبر و استقامت کا معاملہ کیا۔ انہوں نے ان میں سے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک دعوت دی حالانکہ اس کے باوجود ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جانے والی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس راہ پر صبر و ثبات کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے چلے جانا یہ ہے انبیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کا فرضِ لازم، فرض منصبی۔ نتائج کو اللہ کے حوالے کرنا چاہیئے۔ اور اس راہ کے شدائد و مصائب و آزمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔

اِسلام
اور
حقوق اطفال

از قلم :- غازی عزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

ساتویں قسط

(ش) **بچّوں کے امراض و نظرِ بد کا علاج** :- پرورش کے دوران بچوں کی بہت سخت حفاظت کے باوجود بھی اکثر اُن کو امراض لگ جاتے ہیں۔ کبھی موسم کی تبدیلی کا اثر ہے تو کبھی بداحتیاطی و بدپرہیزی کا اثر، کبھی دانت نکل رہے ہیں تو کبھی نزلہ و بخار ہے، کبھی دست و پیچش نے بچہ کو نڈھال کر رکھا ہے تو کبھی کسی اور موذی مرض نے۔ ماں باپ کو ان پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ ان وقتی چیلنج کو قبول کرنا چاہیئے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ ان امراض کا علاج کرنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اور علاج کرانے کا حکم بھی دیا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ شفا دینا صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے دوا کے ساتھ دعا بھی کرنی چاہیئے۔

اکثر چھوٹے بچوں کو نظرِ بد کا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر بچہ کی کسی اچھائی پر نظر پڑے تو ماشاءاللہ اور الحمدللہ کہنا چاہیئے۔ نیز مغرب کے وقت اور کچھ بعد تک بچہ کو لے کر گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ اس سے بھی بچوں کو بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ نظرِ بد اور بیماریوں سے حفاظت کے لئے اکثر لوگ بچوں کے گلے میں کاغذی نقوش و تعویذ، چھوٹا قرآنی نسخہ، تانت اور سیاہ یا سرخ دھاگے، گھونگے۔ مونگے، کوڑیاں، چھلّے، چھری، کانٹے، چاقو، ٹوٹے پیسے و سکے، ناخن

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ہڈیاں وغیرہ لٹکا دیا کرتے ہیں یا گال اور ماتھے پر کالا ٹیکہ لگاتے ہیں یا کان اور ناک منت کے طور پر چھیلاتے ہیں یا بازو پر امام ضامن باندھتے ہیں یا ہاتھوں اور پیروں میں کڑے، چھلے یا گرہ دار دھلگے پہنتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ بچوں کی نظر اُتارنے کے لئے سُرخ مرچ یا کوئی اور شئے اُن کے سر کے گرد گھما کر جلاتے یا دفن کرتے ہیں، کچھ لوگ پانی پر دم کر کے پلاتے ہیں، کچھ لوگ تشتریوں پر یا کاغذ کے پُرزوں پر ادعیہ و آیات قرآن لکھ کر پلاتے ہیں۔ پانی پر آیاتِ قرآن پڑھ کر دم کرنا اور اُسے مریض کو پلانا شرعاً ثابت نہیں ہے، اسی طرح تشتریوں پر یا کاغذ کے پُرزوں پر ادعیہ یا آیاتِ قرآن کریم لکھ کر پانی یا عرقِ گلاب میں گھول کر پلانا بھی شرعاً ثابت نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں افعال بدعت[1] میں سے ہیں۔ البتہ مریض پر

---

[1] عن عائشۃؓ کانت تؤتی بالصبیان اذا ولدوا فتدعو لھم بالبرکۃ فاتیت بصبی فذھبت تضع وسادۃ فاذا تحت راسہ موسیٰ فسالتھم عن الموسیٰ فقالوا نجعلھا من الجن فاخذت الموسی فرمت بھا ونھتھم عنھا وقالت ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یکرہ ویبغضھا وکانت عائشۃ تنھی عنھا (ادب المفرد للبخاری ص۱۸۰)

"ترجمہ: اُم المؤمنین عائشہؓ کے پاس نومولود لائے جاتے تھے اور وہ اُن کے لئے اللہ کی برکت کی دُعا کرتی تھیں۔ ایک دن ایک بچہ لایا گیا اور جب وہ اُس کا تکیہ رکھنے لگیں تو اُس کے سر کے نیچے انہیں ایک استرا نظر آیا۔ دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ گھر والوں نے کہا کہ ہم جنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ عائشہؓ نے وہ استرا لے کر پھینک دیا اور اُن لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو (شگون اور ٹوٹکے کو) ناپسند فرماتے تھے۔ اور اُنہیں ان باتوں سے سخت نفرت تھی۔ اسی لئے عائشہ اس سے منع کرتی تھیں۔"

دُعائے ماثورہ پڑھ کر دم کرنا درُست اور احادیث سے ثابت ہے - لیکن اس کو

(بقیہ حاشیہ ص۹۴) اُم المؤمنین اُم عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا کرنے والے (یعنی بدعت کرنے والے) کو مردود فرمایا ہے : پس حدیث میں مذکور ہے "من أحدث فی أمرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ" (رواہ البخاری و مسلم) ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ دین میں ہر نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی ٹھکانا جہنم ہی ہے :- فإن کل محدثۃٍ بدعۃ" وکل بدعۃٍ ضلالۃ" وکل ضلالۃٍ فی النار" (رواہ ابوداؤد ولنسائی والترمذی وقال حدیث حسن صحیح) بعض حضرات کا اصرار ہے کہ بدعت کی دو۲ قسمیں ہیں (۱) بدعتِ حسنہ (۲) بدعتِ قبیحہ، لیکن مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہے کہ بدعتِ حسنہ و بدعتِ قبیحہ کی تفریق کرنا کسی طور پر درُست نہیں ہے - اس کے متعلق امام مالکؒ کا ایک قول ابن الماجشون نے بیان کیا ہے :جس شخص نے اسلام میں کوئی بدعت اچھی (حسنہ) سمجھ کر داخل کی پس اُس نے اس بات کا زعم کیا کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے خائن تھے" امام شاطبیؒ نے بھی امام مالکؒ کے اس قول کا ذکر کیا ہے - اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ :- بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس نے کوئی بدعت کی اللہ تعالےٰ نہ اُس کی نماز قبول کرے گا ، نہ روزہ ، نہ حج ، نہ عمرہ اور نہ ہی اُس کا صدقہ" (الاعتصام للشاطبی) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : أبی اللہ أن یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ" (رواہ ابن ماجہ) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ البغدادی نے بھی اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث کا ذکر "غنیتہ الطالبین" میں کیا ہے - الآجری نے ولید بن مسلم کے طریق سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے "إذا حدث فی أمتی البدع وشتم أصحابی فلیظھر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین" (کتاب السنۃ) ایوب السختیانی کا قول ہے "ما ازداد صاحب بدعۃ اجتھاداً إلا ازداد بعداً من اللہ" حسن کا قول ہے "صاحب البدعۃ لا یزداد اجتھاداً صیاماً وصلاۃً - إلا ازداد من اللہ بعداً"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھی پیشہ کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) یحییٰ بن ابی عمرالشیبانی کا قول ہے :" یأبی اللّٰہ لصاحب بدعۃ بتوبۃ وما انتقل صاحب بدعۃ إلا إلی شر منہا " فضیل بن عیاض کا قول ہے :" اتبع طرق الھدی ولا یضرک قلۃ السالکین وإیاکم وطرق الضلالۃ ولا تغتر بکثرۃ الھالکین " اور " من جلس مع صاحب بدعۃ لم یعط الحکمۃ (الاعتصام الشاطبی) ابی قلابۃ کا قول ہے :" ما ابتدع رجل بدعۃ إلا استحل السیف " ابن وھب نے سفیان کا قول بیان کیا ہے :" کان رجل فقیہ یقول : ما أحب أنی ھدیت الناس کلھم وأضللت رجلاً واحدًا " ابن سیرین کا قول ہے :" أسرع الناس ردۃ أھل الأھواء " (الاعتصام للشاطبی) یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے :" إذا لقیت صاحب بدعۃ فی طریق فخذ فی طریق آخر " عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں " من أتی صاحب بدعۃ فقد أعان علی ھدم الإسلام " (مسلم) اسلاف میں سے بعض کا قول ہے :" من جالس صاحب بدعۃ نزعت منہ العصمۃ ووکل الی نفسہ " نبی صلی اللہ علیہ وسلم " حلت شفاعتی لأمتی إلا صاحب بدعۃ " (الاعتصام للشاطبی) اور " إن اللّٰہ حجر التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ " (الاعتصام للشاطبی) ایک اور حدیث میں ہے :" أنا بریئٌ منھم وھم برآء منی " (الاعتصام للشاطبی)

ے کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعوّذ الحسن والحسین رضی اللّٰہ عنہما " أعیذکما بکلمات اللّٰہ التامّۃ من کلّ شیطان وھامّۃ ومن کلّ عینٍ لامّۃٍ - (حدیث) اور " إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یُعوّذ بعض أھلہٖ یَمْسَحُ بیدہ الیمنیٰ ویقولُ :- اللّٰھُمَّ رَبَّ النّاس أذھِب الباسَ، واشْفِ أنت الشافی لا شفاءَ إلا شفاءُک شفاءً لا یغادر سقمًا - (حدیث)

مذکورہ بالا تمام بیماریاں آج کل برصغیر کے تقریبًا ہر مسلم طبقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اسی باعث ہند و پاک کے مذہبی پیشہ وروں نے یہ مذموم پیشہ خوب زور وشور سے چلا رکھا ہے اگرچہ اسلاف میں بعض نے صرف تعویذ لٹکانے کی کئی شرائط کیسا تھ رخصت[1] دی ہے لیکن اکثر احادیث سے ثابت ہے کہ تعویذ و گنڈا شرک[2] ہے۔ اس

---

[1] قال سیوطی: "وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند إجماع ثلاث شروط: أن تكون بكلام الله أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي وما يعرف معناه وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بتقدير الله تعالى۔" وقال الخطابي: "وكان عليه الصلاة والسلام قد رقى و رُقِي وأمر بها وأجازها فإذا كانت بالقرآن وبأسماء الله فهي مباحة أو مأمور بها وإنما جاءت الكراهة والمنع فيما كان منها بغير لسان العرب فإنه ربما كان كفرًا أو قولاً يدخله شرك۔" وقال الخلخالي:۔ "التمائم: جمع تميمة وهي ما يعلق بأعناق الصبيان من خرزات وعظام لدفع العين وهذا منهي عنه لأنه لا دافع إلا الله ولا يطلب دفع المؤذيات إلا بالله وبأسمائه وصفاته۔" وقال شيخ الاسلام أبوالعباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن يتمية: "كل اسم مجهول فليس لأحد أن يرقى به فضلا عن أن يدعوبه ولو عرف معناه لأنه يكره الدعاء بغير العربيه وإنما يرخص من لا يحسن العربية فأما جعل الألفاظ الأعجمية شعارًا فليس من دين الاسلام" وعن عوف بن مالك: "كنا نرقي في الجاهلية فقلنا: يارسول كيف ترى في ذلك فقال: اعرضوا عليَّ رقاكم لا بأس بالرقى مالم تكن شركا۔ (صحيح مسلم)

[2] حدثنا خلف بن الوليد حدثنا المبارك عن الحسن قال: أخبرني عمران ابن حصين: "أن النبي صلى الله عليه وسلم أبصر على عضد رجل حلقه، قال: أراها من صفر، فقال: ويحك ما هذه؟ قال:

(بقیہ حاشیہ ص۹۲) من الواھنة، قال: أما إنها لا تزيدك إلا وهناً انبذها عنك فانك لومت وهي عليك ما أفلحت أبداً - رواه أحمد، بسند لا بأس به وابن حبان في صحيحه، فقال: "فإنك إن مت وكلت إليها" والحاكم وقال: "صحيح الاسناد" وأقره الذهبي)

وعن عقبه بن عامر: "من تعلق تميمة فلا أتم الله له ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له" (رواه احمد وابو يعلى والحاكم وقال "صحيح الاسناد" واقره الذهبي)

وعن عقبة بن عامر الجهني: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل إليه رهط، فبايع تسعة وأمسك عن واحد فقالوا: يارسول الله بايعت التسعة وأمسكت عن هذا؟ فقال: إن عليه تميمة فأدخل يده فقطعها فبايعه وقال: من تعلق تميمة فقد أشرك" (رواه احمد في مسند احمد ص۱۵۶ ج۴ والحاكم)

وحدثنا محمد بن الحسين بن إبراهيم بن أشكاب حدثنا يونس بن محمد حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الأحول عن عروة قال: دخل حذيفة على مريض فرأى في عضده سيراً فقطعه أو انتزعه ثم قال: وما يؤمن أكثرهم بالله إلا وهم مشركون" (رواه ابن ابي حاتم، تفسير ابن کثیر ص۴۹۴ ج۲)

وعن أبي بشير الأنصاري: "أنه كان مع النبي صلى الله عليه وسلم في بعض أسفاره فأرسل رسولا: أن لا يبقين في رقبة بعير قلادة من وتر أو قلادة إلا قطعت" (مسلم كتاب اللباس والزينة)

وعن زينب امرأة عبد الله بن مسعود قالت" ان عبد الله رأى في عنقي خيطاً فقال ما هذا؟ قلت رقي لي فيه قالت فأخذه ثم قطعه ثم قال أنتم آل عبد الله لأغنياء عن الشرك، سمعنا رسول الله صلى الله

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چیزوں سے بچنا چاہیئے۔ وأخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

(بقیہ حاشیہ ص۹۸) علیہ وسلم یقول: إن الرقی والتمائم والتولۃ شرك" فقلت: لقد کانت عینی تقذف وکنت أختلف إلی فلان الیهودی فاذا رقی سکنت، فقال عبد اللہ: إنما ذالك عمل الشیطان، کان ینخسها بیده فاذا رقی کف عنها انما کان یکفیك ان تقولی کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: أذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء إلا شفاءك شفاء لا یغادر سقماً (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ واحمد وابن حبان والحاکم وقال "صحیح" واقرہ الذہبی)
وعن عیسیٰ بن حمزۃ قال دخلت علی عبد اللہ بن عکیم وبہ حمرۃ فقلت الا تعلق تمیمۃ فقال نعوذ باللہ من ذلك قال رسول اللہ علیہ وسلم من تعلق شیئًا وُکِلَ الیہ" رواہ احمد وابوداؤد والحاکم والترمذی ج ۲ ص۲۸) وعن سعید بن جبیر قال: "من قطع تمیمۃ من إنسان کان کعدل رقبۃ" (رواہ وکیع) وعن ابراهیم بن یزید النخعی الکوفی قال: "کانوا الکیرهون التمائم کلها من القرآن وغیر القرآن" وقال القاضی ابوبکر العربی" تعلیق القرآن لیس من طریق السنۃ انما السنۃ فیہ ذکر دون التعلق" (عون المعبود شرح أبی داؤد ج ۱۲ ص۱)
۳؎ یہ تبلیغی پمفلٹ درج ذیل ہر دو پتوں سے مفت حاصل کیا جاسکتا ہے:۔
(۱) غازی عزیز، ناظم ادارۂ توحید روڈ، کیماڑی، کراچی (پاکستان)
(۱) غازی عزیز، ناظم ادارۂ توحید، محلہ شیخاں، بالائے قلعہ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۱ (الہند)
(۳) ڈاکٹر سبحان علی صاحب، چندن شہید روڈ، بالائے قلعہ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ (الہند)

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربِّ العٰلمین

آرمی برن ہال کالج ایبٹ آباد

میں

ایک ایمان افروز تقریب کی روداد

اور

ممتاز عالم دین جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی "قرآن کے پیغام لازوال" پر ایک جامع تقریر

(مرتبہ: جناب بشیر احمد صاحب سوز۔ لیکچرار اردو آرمی برن ہال کالج)

آج ہم دیکھتے ہیں کہ علوم کا ایک سیل بے پناہ ہے کہ جس میں روحانیت کا اثاثہ خس و خاشاک کی طرح بہہ رہا ہے۔ جدید معاشی اور تہذیبی ضابطوں کو اپنا کر اسلامی تشخص کھو دیا ہے۔ مختلف نظام ہائے زندگی نے مادیت کے بتوں میں وہ خونِ زندگی دوڑا دیا کہ انسان کی آنکھ میں انسانی قدریں بجھ گئیں۔ مادیت الحاد کا روپ جب دھار لیتی ہے تو کردار کھوکھلے اور ضعیف ہو جاتے ہیں اور جہاں کردار مر جاتے ہیں وہاں سے قوموں کا حقیقی زوال شروع ہو جاتا ہے۔

آج کی نوجوان نسل کی مثبت اور سچی تعمیر اس بات کی متقاضی ہے کہ معاش کی چکا چوند میں دین فطرت کی مشعلوں کو اور بھی بلند کیا جائے۔ جدید علوم کی تہہ میں دین کے گہر ہائے آبدار رکھ دیئے جائیں کہ شناورانِ علم جب بھی علوم کی گہرائیوں میں اتریں یہ انمول موتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اُن کے ہاتھ لگیں۔ فلسفہ کی ساری قوتوں کو تلقینِ غزالی سبک رفتار کر دے۔ پیچ و تاب رازی میں سوزِ رومی کے پرچم زیادہ بلند اور نمایاں ہوں۔ اور ان کے بحر کی موجوں میں وہ اضطراب ہو جس سے عشقِ الٰہی کے تاروں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور تعلیم سے انہیں تڑپنے اور پھڑکنے کی وہ توفیق ملے جو دلِ مرتضیٰؓ اور

سوزِ مدا تی میں تھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی نوجوان نسل کے کردار میں دینِ الٰہی کے وہ رنگ بھر دیئے جائیں کہ وہ زندگی کی ساری حقیقتوں کو اُن کے اصلی روپ میں دیکھ سکیں۔ اور جدید علوم کی بیساکھیوں سے کہیں زیادہ اُس ضابطۂ حیات کا سہارا لیں جس کے رہنما اصول ہر دور اور ہر زمانہ میں ہر قوم اور ہر نسل کیلئے ایک متاعِ بے بہا ثابت ہو سکتے ہیں۔

انہی مقاصد کے حصول کے لئے آرمی برن ہال کالج ایبٹ آباد میں اکثر بیشتر ایسی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جن سے نوجوان طلبار کے ذہنوں کو جِلا ملتی ہے۔

پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کے سلسلے میں ہمارے کالج میں ایک ایمان افروز تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ شارحِ قرآن اور ٹی وی کے مشہورِ پروگرام "الہُدیٰ" کے شعلہ بیان خطیب جناب ڈاکٹر اسرار احمد مہمانِ خصوصی تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی برن ہال میں آمد ہی سے ایک روحانی اور ذہنی تسکین کے سامان بہم ہونے لگے۔ ہر آنکھ منتظر تھی کہ کب یہ شعلہ بیاں مقرر بحرِ علوم سے انمول موتی چُن چُن کر ہمارے دامن کو دامنِ دولت بنا دے گا۔

۱۰ ستمبر کی خوشگوار صبح تھی۔ کالج کے طلبار کالج ہال میں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ معززینِ شہر برن ہال کالج کی جانب رواں دواں تھے۔ چہرے یوں دمک رہے تھے جیسے نور کا ایک سیلاب اس کالج کے در و بام کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔

ٹھیک صبح نو بجے معزز مہمانِ خصوصی کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک کے ساتھ کالج ہال میں داخل ہوئے۔ حاضرین جو دیر سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے چہرے کی ایک جھلک کے منتظر تھے۔ معزز مہمان کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور تالیوں کی گونج میں معزز مہمان کا استقبال کیا، سٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم بشیر احمد سوز انجام دے رہا تھا۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد سے کرسیٔ صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی درخواست کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب جب کرسیٔ صدارت سنبھال چکے تو اجلاس کے باقاعدہ آغاز کا اعلان کیا گیا۔ گیارہویں جماعت کے افضل بھٹہ

نے خدائے بزرگ و برتر کے نام سے اجلاس کا آغاز کیا ۔

تلاوتِ کلام پاک کے بعد راقم نے بحیثیت اسٹیج سیکرٹری برن ہال کالج میں اسلامی تحریک اور اس کے مقاصد کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا ۔

"برن ہال کالج" میں ۱۹۷۷ء کا سال ایک ایسا سنگِ میل ہے جس نے ہمیں ہماری منزلوں کا پتہ دیا اور ہمارے راستوں کا تعین بھی کیا ۔ تعلیم کا سفر اس ادارے میں خوشبو کا سفر تھا لیکن اس خوشبو میں دین کی مہک نہ تھی ۔ برن ہال کالج میں وہ صبح کتنی درخشاں تھی جب پہلی بار ہمارے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے تلاوتِ کلام پاک سے اسمبلی کا آغاز کیا ۔ اور برن ہال کالج کے در و بام اور سقف و محراب دین کی روشنی سے دمک اُٹھے ۔

بصارت جس بصیرت کی متمنی تھی وہ ان نوجوان طلباء کے اندر نمو پانے لگی ۔ ہماری تمنا ہے کہ مکتب کی کرامت کو فیضانِ نظر مل جائے ۔"

اس کے بعد جماعت ہفتم کے نعیم محمد، جبران داؤد اور جماعت ہشتم کے عامر نعیم کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی ۔ ان بچوں نے نہایت دلکش انداز میں سرورِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمدؐ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا ۔

بعدہ راقم نے بحیثیت سٹیج سیکرٹری ۔ جماعت نہم کے عامر خان کو دعوت دی۔ عامر خان نے "قرآن سرچشمۂ نور و ہدایت" کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔ اندازِ بیان نہایت خوبصورت، دلائل بڑے جامع اور الفاظ کا حسن قابلِ تعریف تھا ۔ حاضرینِ محفل نے اس کم عمر مقرر کو خوب داد دی ۔ اب برن ہال کالج کے خطیب مولانا محمد شفیع فیضی تشریف لائے ۔ مولانا نے معزز مہمان کی زندگی، شخصیت و کردار اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اُن کی خدمات پر روشنی ڈالی ۔ آپ نے کہا :۔

"حضرات! آرمی برن ہال کالج کی تاریخ میں آج کا دن — اس لحاظ سے ایک یادگار دن ہو گا کہ آج ہمارے درمیان ایک ایسی محترم شخصیت موجود ہے ۔ جو شارحِ قرآن بھی ہے اور داعی الی القرآن بھی ۔ آپ نے کہا کہ "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پاکستان کو معرضِ وجود میں آنے کے ۴۳ برس گزرنے کے بعد بھی نظریہ پاکستان کے لئے جو قرآن اور

کلمۂ طیبہ سے عبارت ہے سرگرم عمل ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے وہ کبھی الحاد اور لادینیت کے سر پر گرزِ ابرز شکن بن کر گرتے ہیں تو کبھی قلم کی تلوار سے "میثاق" کے ذریعے مغربیت کے دامِ ہم رنگِ زمین پر کاری ضربیں لگاتے ہیں کبھی "الہدیٰ" کے توسط سے دشمنانِ ملک و دین کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کو اپنے دلائل و براہین سے مٹا کر دینِ حق کی صداقتوں کو ذہنوں میں راسخ کرتے ہیں۔ کبھی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام مجالس و محافل (قرآن کانفرنسوں) کا انعقاد کرکے اپنے مخصوص اندازِ بیان سائنٹیفک طرزِ استدلال سے اُمتِ مسلمہ کی اخلاقی اور علمی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ الغرض کتاب و سنت کے اسلحہ سے لیس ہو کر ڈاکٹر صاحب ملتِ بیضا کا مکمل دفاع کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیسی قوتیں فکری اور عملی دونوں محاذوں پر پسپائی پر مجبور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے حصولِ دولت کا راستہ دشوار نہ تھا۔ لیکن تحریکِ اسلامی سے وابستگی نے دنیاوی جاہ و جلال اور دولت و امارت کو پائے استحقار سے ٹھکرانے کی ہمتِ مردانہ پیدا کر دی۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند اور دایں سعادت بزورِ بازو نیست، تانہ بخشند خدائے بخشندہ

حضرات! میں آپکے اور جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درمیان زیادہ دیر حائل رہنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں خود اور مجھ سے بڑھ کر آپ سب ان کی تقریر کے منتظر ہیں۔

آخر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی ذات میں آپ کو دینی اور دنیاوی علوم کا ایک حسین امتزاج نظر آئے گا۔ خدا کرے کہ اُن کے ارشادات کے نتیجے میں ہمارے کالج کے نوجوانوں میں وہ ذوق و شوق پیدا ہو جو ایک مسلمان کا سرمایۂ حیات ہے۔

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر — حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے — اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر"

مولانا محمد شفیع فیضی جب ڈاکٹر صاحب کی زندگی، شخصیت و کردار اور انکی خدمات کی گرہ کشائی کر چکے تو راقم نے بحیثیت سٹیج سیکرٹری معزز مہمانِ خصوصی

کو دعوت سخن دی ڈاکٹر صاحب کی علمیّت سے کون واقف نہیں ۔ اُن کی شعلہ بیانی اور خطابت میں جب حُسنِ ادا رنگ بھر دیتا ہے ۔ تو سامعین مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں ۔

ڈاکٹر صاحب کے لئے موضوع " قرآن کا پیغامِ لازوال " منتخب کیا گیا ۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن پاک کی سورہ العصر کی تلاوت سے کیا۔ اور اس کا سلیس و رواں ترجمہ پیش کیا ۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

زمانے کی قسم ہے (یا زمانہ گواہ ہے) تمام انسان خسارے میں ہیں ۔
سوائے ان کے جو ایمان لائے جنہوں نے اچھے عمل کئے ۔ اور باہم ایک
دوسرے کو حق کی تاکید کی اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی ۔ "

پھر اسی سورۃ کو اپنی بحث کا مرکز و محور بنایا ۔ آپ نے اس سورۃ کے ایک ایک لفظ کی توضیح و تشریح کی ۔ اس توضیح و تشریح کے بعد جب وہ اپنے موضوع سے اس کی کڑیاں لا کر جوڑتے تو سامع دنگ رہ جاتا ۔ علمیّت ، زورِ بیان اور قوتِ حافظہ کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ آپ کی تقریر ایک شفاف ندی کی مانند بہتی ہوئی محسوس ہوتی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ بولتے رہے شاید یہی اُن کا اعجازِ بیان تھا کہ حاضرین نے دلجمعی کے ساتھ اُن کو سنا ۔ آپ نے عقلی اور نقلی دلائل اور براہین کے ساتھ ایمان کی حقیقت اور قرآنِ پاک کی صداقت کو واضح کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کا پیغام سرمدی اور ابدی بھی ہے ۔ اور لازوال بھی ۔ آپ نے کہا کہ ایمان ، عمل ، صالح ، تواصی با لحق اور صبر ہی وہ بنیادی حقائق ہیں جن پر انسانی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے اور یہی قرآن پاک کے پیغامِ لازوال کا حاصل ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس منکشف حقیقت پر عمل پیرا بھی ہو ۔ اور اس سلسلے میں کسی خوف ، دھمکی یا لالچ کا اسیر بن کر راستے سے ہٹنے نہ پائے ۔ بلکہ اِن حقیقتوں کے پرچار کے لئے سعی کرے ۔ بیانگِ دُہل ان کا اعلان کرے ۔ راستے میں مشکلات کے کوہِ گراں بھی آئیں

توہمت عالی ان کو ریزہ ریزہ کرتی چلی جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایسے عزم اور ارادے کے لوگ ہر دور میں مختلف اقوام میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے حقائق کو پالنے کے بعد ایک نئی سمت اور منزل کا تعین بھی کیا اور جادۂ پیما بھی رہے۔ پھر اپنی دانش اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے نوعِ انسانی کو بھی اپنا ہمرکاب کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ گوتم بدھ اور سقراط کی اولوالعزمی کی مثالیں قرطاس زمانہ پر انمٹ نقش بن کر رہ گئی ہیں۔ گوتم بدھ ایک شہزادہ تھا۔ دولت و امارت اور دنیاوی جاہ و حشم کا مالک۔ لیکن جب تلاش و جستجو کے بعد حقائق نے اُس کی رُوح کے دریچے وا کر دیئے تو اس نے دنیا کی بے حقیقت لطافتوں کو بے دریغ ٹھکرا دیا۔ سقراط نے اپنے اصولوں اور اُن حقیقتوں پر جو اُس کے نزدیک درست اور صحیح تھیں جس استقامت کا مظاہرہ کیا اُنہیں زہر کے پیالے نے ایک آفاقی حقیقت میں بدل کر رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب رُوحانی فیض پالیا تو نمرود کی آگ بھی حق کی صداقتوں اور حقیقتوں کو خاکستر نہ کر سکی۔ بابائے ملّت حضرت قائد اعظم اور علامہ اقبال نے بھی عقل و فکر کو وحی قرآنی علم کی روشنی میں جلا دے کر مسلمانوں کے لئے صحیح راستہ کا انتخاب کیا۔ اور ایک مملکتِ خداداد کا حصول ممکن بنایا۔ لیکن مسلمانوں نے مجموعی طور پر اس حقیقت سے روگردانی کی۔ اور اس نصب العین کے لئے عمل پیرا ہونے سے گریز کیا۔ قرآن کے پیغام سے اپنی زندگیوں کی تزئین نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ شکست و ریخت اور تنزل کے نقش اس قوم کی حیات میں ابھرنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ انسان کے سوچنے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ کائنات کا خالق کون ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ اس کارگہ حیات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ خالقِ ارض و سماء سے انسان کا تعلق کیا ہے؟ کیا زندگی بس یہی ہے یا شبِ درازِ عدم میں بھی زندگی کا کوئی قدم ہے؟ جزا اور سزا کا تصور کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سبھی سوال جب ذہن انسانی میں ابھریں تو وہ قرآن کی روشنی میں ان سوالوں کے جواب تلاش کرے۔ قرآن جو عالمگیر اور آفاقی ہے۔ جو ہر دور اور ہر زمانے پر محیط ہے۔ جو

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس بحث کو نظر انداز کر دیجئے کہ انہوں نے جن باتوں کو حقائق سمجھا وہ صحیح تھیں یا غلط...

اپنے اندرِ علم وحکمت کے بحرِ ناپیدا کنار رکھتا ہے جب قرآن انسان کو ان سوالوں کے مبسوط جواب سے آگہی بخش دے - اور انسان حقیقتوں کو پا لینے اور تسلیم کر لینے کے بعد ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لے تو اسی کا نام ایمان کی مشعل ہے جب یہ روح انسانی میں روشن ہو جائے تو وہ ان حقائق کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہوتا ہے یہی سعی و کوشش عملِ صالح کہلاتی ہے - ان حقیقتوں کے اعلان اور پرچار کو تواصی بالحق سے موسوم کیا جاتا ہے - اور اس عمل میں باطل نظامِ زندگی کی طاغوتی قوتوں سے برسرِ پیکار رہنا اور اس راہ میں اذیتوں اور مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا صبر کہلاتا ہے - جس انسان کی زندگی میں یہ حقائق رچ بس جائیں اور جس کی زندگی میں ان چار اصولوں کے حسین رنگ ابھر آئیں وہ انسان عرصۂ حیات میں کامیاب و کامران زندگی بسر کرتا ہے - انہی چار اصولوں اور لافانی حقائق کی دعوت و تبلیغ قرآنِ پاک کے پیغامِ لازوال کی تشریح و توضیح کہلاتی ہے - اور یہی وہ چار بنیادی اصول ہیں جن کی بنا پر قرآن کا پیغام سرمدی اور ابدی ہوتا ہے - اور انہی چار اصولوں کے اقرار یا انکار سے قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں مرتب ہوتی ہیں -

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے محدود مطالعے کے مطابق سورۃ العصر ایک بیج کے مانند ہے - جس طرح آم کی گٹھلی میں پورے آم کا درخت موجود ہوتا ہے - اسی طرح اس سورہ مبارکہ میں قرآن حکیم کے تمام تعلیمات موجود ہیں - آپ غور کریں گے - تو قرآن حکیم میں پانچ موضوعات پر مختلف اسالیب سے گفتگو ہوئی ہے - امم سابقہ کے حالات واقعات بیان ہوتے ہیں اور آنے والے حالات کی خبریں دی گئی ہیں - 'والعصر' کا لفظ ان کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے - آگے چلئے - پھر ایمان کی بحث ہے - جس میں توحید باری تعالےٰ کے آفاقی و انفسی دلائل ہیں - نبوت رسالت وحی اور انزال کتب اور وقوع قیامت، حشر و نشر اور محاسبہ اخروی کے لئے براہین ہیں اور جنت و جہنم کے اذکار ہیں پھر ان تمام امورِ غیبی پر ایمان لانے کی دعوت ہے - والذین آمنوا' میں ان تمام مباحث کا خلاصہ آ جاتا ہے - آگے چلئے قرآن مجید میں اچھے اور بھلے اعمال کی تعلیمات ہیں - خیر پر عمل کی دعوت ہے - معروف کا امر اور

حکم ہے اور منکر سے نہی اور اجتناب کی تاکید ہے - اس موضوع پر 'وعملوا الصّٰلحٰت' کے الفاظ دلالت کرتے ہیں - اور آگے چلئے تو قرآن میں اُمّتِ مسلمہ کو دین کی دعوت و تبلیغ، اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کی جدوجہد اور کشمکش کرنے کی ترغیب و تلقین ہے - امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے - اس سورت مبارکہ میں ان تمام امور کو ایک اصطلاح " وتواصوا بالحق ' میں سمو دیا گیا ہے -- آخر میں 'تواصوا بالصبر' کی تاکید و تلقین ہے چونکہ ہر انقلابی جدوجہد کو لازماً شدائد و مصائب سے سابقہ پیش آکر رہتا ہے - اس مرحلے میں صبر ایک مسلمان کا سب سے زیادہ قیمتی ہتھیار اور بیش بہا متاع ہے - اس کو 'تواصوا بالصبر' میں بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کے جملہ تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ اس ایک مختصر سی سورت میں انتہائی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے - اسی لئے میں اس سورہ مبارکہ کو بیج سے تشبیہ دیا کرتا ہوں - جس طرح ایک بیج میں پورا درخت پنہاں ہوتا ہے - اسی طرح اس سورہ مبارکہ میں قرآن مجید کی تمام تعلیمات موجود ہیں -

آپ نے فرمایا کہ جس قوم میں قرآن کریم کے ساتھ علمی وابستگی اور والہانہ عقیدت موجود ہو وہ قوم خدا کے فضل اور احسان و انعامات اور عزّت و سرخروئی سے محروم نہیں ہو سکتی - آپ نے فرمایا کہ اگر برن ہال کالج جیسے تعلیمی اداروں میں علوم دینیہ کی درس و تدریس کا عمل یوں جاری و ساری رہے تو یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ ملّتِ بیضا کو اعلٰے کردار اور بہترین اقدار کے حامل انسان ملتے رہیں گے - جو دنیا کی ترقی میں دینی علوم کے حسین امتزاج سے نوع انسانی کی فلاح کے راستے متعین کرتے رہیں گے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آج کی میری معروضات کا حاصل، خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے کہ ہر مسلمان کا حقیقی اور اصل نصبُ العین رضائے الٰہی اور نجاتِ اُخروی، کا حصول ہے سورۃ العصر کے ذریعے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ اُخروی نجات کے لئے اللہ تعالٰے نے چار ناگزیر شرائط اور لوازم بیان فرمائے ہیں اور وہ ہیں - ایمان - عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

— گویا یہ چاروں لوازم راہ نجات کے سنگ ہائے میل ہیں - اور ان چاروں شرائط کو پورا کرنے کے التزام و کوشش پر ہی آخرت کی کامیابی اور فوز و فلاح کا دارومدار

اور انحصار ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کی بصیرت سے پُر اور ایمان افروز تقریر کے بعد کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے اظہارِ خیال فرماتے ہوئے کہا کہ" اسلام ایک ایسے انقلاب کا داعی ہے جس میں تمام جدید علوم اور علومِ متداولہ کو قرآن پاک کی تعلیمات اور اسلام کے رہنما اصولوں کی روشنی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے ایک مثالی معاشرے اور مثالی قوم کے لئے افراد کے لئے مثالی کردار کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ دینِ اسلام سے وابستگی ہی سے دُنیائے اسلام اپنے حقیقی مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ جب تک آج کی نوجوان نسل کے کردار کی تشکیل اسلامی تعلیمات اور مشرقی اقدار سے ترتیب نہ پائے گی، ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ آپ نے کہا کہ احیائے اسلام کا یہ انقلابی دور متقاضی ہے کہ جدید علوم کے ساتھ دینِ اسلام سے وابستگی کا جذبہ اور قرآن کریم کے رہنما اصولوں سے ہی انسانی کردار کی تشکیل ہو۔ آپ نے کہا کہ نظریۂ پاکستان کو اُس کے حسین ترین رنگوں میں ہم اُسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب اُس کے بنیادی مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے مزید کہا کہ ہم نے اس ادارے میں وہ تحریک شروع کر دی ہے جو دنیوی اور اُخروی فلاح کے راستے متعین کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج کا نوجوان اس مادیت پرست دنیا میں رہ کر بھی دین کی روشنی میں اپنے کردار کی تشکیل کر سکے۔ اور نوعِ انسانی کے لئے ایک مثالی کردار بن سکے ۔۔۔

ان زرّیں خیالات کے اظہار کے بعد جناب پرنسپل صاحب نے معزز مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ایک طویل سفر طے کر کے اس ایمان افروز تقریب میں شرکت کی۔ اور ہمیں اپنے ارشادات و ملفوظات سے نوازا۔ پرنسپل صاحب نے مزید فرمایا کہ اسے محض ایک رسمی شکریہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی بصیرت افروز تقریر کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یہ میرے دلی اور حقیقی شکریہ کے جذبات ہیں، جن کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ بعدہ معزز محترم مہمان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اجتماعی دُعا کرائی اور گیارہ بجے دن کو یہ تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔

تقریب کے اختتام پر کالج کی طرف سے مہمانِ خصوصی محترم ڈاکٹر صاحب اور دیگر مہمانوں کی اکل و شرب سے تواضع کی گئی اور ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب اور ان کے دو رفقاء کالج کی اسٹیشن ویگن میں وادی کاغان و ناران کے گشت کے لئے تشریف لے گئے جہاں سے موصوف کی ۲۰ ستمبر کو مغرب کے بعد ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ مراجعت ہوئی۔

کالج کے طلبہ اور اساتذہ کی رُوحانی پیاس باقی تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب کی بصیرت ایمانی ان کے موثر اندازِ خطابت، دل نشین طرزِ استدلال اور قرآن فہمی کے چشمۂ صافی کے آبِ حیات سے اس تشنگی کی مزید آسودگی کے طالب تھے۔ لہٰذا کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیر بشیر احمد ملک صاحب نے ۲۰ ستمبر کی شب کو ۸ بجے ایک مزید اجتماع کا انتظام کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس ڈیڑھ دن کے پہاڑی سفر کی وجہ سے کافی تھکے ہوئے تھے چونکہ اس گشت میں صرف ایک ہی رات انہوں نے ناران میں آرام کیا تھا۔ ان کا باقی تمام وقت حالتِ سفر میں گزرا تھا اور سفر بھی وادی کاغان و ناران جیسے پیچ در پیچ اور نشیب و فراز سے پُر تھکا دینے والے راستے کا سفر۔ پھر یہ کہ ان کو اس سفر کی تکان کی وجہ سے حرارت بھی ہو گئی تھی بایں ہمہ نصف گھنٹے کے اندر اندر ڈاکٹر صاحب موصوف تیار ہو کر ۸ بجے ہال میں جناب پرنسپل صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے جہاں آرمی برن ہال کالج اور ثانوی اسکول کے طلباء اور تمام اساتذہ نیز متعدد معززین شہر دعوتِ رجوع الی القرآن کے اس مخلص داعی کے دیدار اور ان کے ایمان افروز خطاب کی سماعت کے لئے ہمہ تن مشتاق و منتظر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ کی تلاوت کی اور اس کا رواں و سلیس ترجمہ پیش کیا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ

لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَ
النَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَفِي الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَ

الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

ترجمہ :- نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رُخ مشرق و مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ اصل نیکی (اس کی ہے) جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیا اس نے مال اُس کی محبت کے علی الرغم رشتہ داروں کو یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو اور گلو خلاصی کرانے کے لئے - اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ — اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جبکہ کوئی باہمی معاہدہ کرلیں اور خصوصاً صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ و قتال کے وقت — یہی لوگ ہیں حقیقتاً راست گو اور یہی ہیں واقعتہً "متقی و پرہیزگار"

آیت کا ترجمہ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " میں نے دعوتِ رجوع الی القرآن کے لئے قرآن حکیم کا جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے واضح طور پر یہ بات آجائے کہ ازروئے قرآن مجید ایک مسلمان کی اصل ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ اور اس کا رب اور خالق و مالک اس کے سامنے دین کے کیا مطالبات رکھتا ہے ؟ اس کا پہلا سبق سورۃ العصر ہے، جس کے مختصر وقت میں اجمالی طور پر کچھ مطالب و مفاہیم اور تشریحات میں کل کی تقریر میں بیان کر چکا ہوں، جس کے ذریعے ہمارے سامنے نجات اخروی کی چار ناگزیر شرائط و لوازم ایمان - عمل صالح تواصی بالحق اور تواصی بالصبر آئے تھے — یہ آیت جس کی میں نے آج تلاوت کی ہے اور جسے میں آیتِ برّ سے موسوم کیا کرتا ہوں اور جس کا عنوان میں نے " نیکی اور تقویٰ کا قرآنی معیار " مقرر کیا ہے اس منتخب نصاب کا درس نمبر دو ہے -

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " اگر میں اس آیت مبارکہ کی مختصراً تشریح کروں تو وہ یہ ہوگی کہ اس آیت مبارکہ میں اصل نیکی اور حقیقی نیکی اور واقعی تقویٰ کے معیارات بیان فرمائے گئے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ برّ (یعنی نیکی) اور

تقویٰ (یعنی اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی روش) کا اصل دار و مدار ظواہر و مظاہر پر نہیں ہے بلکہ ایمان و یقین، ہمدردی و غم خواری، عبادات کے التزام، معاملات کی درستگی اور راہ حق میں صبر و مصابرت پر ہے ۔"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ " اس آیت بر سے نیکی کے ایک محدود مذہبی تصوّر کی جڑ کٹ جاتی ہے اور نیکی کا ایک واضح اور مکمل تصور سامنے آجاتا ہے ۔ میرے محدود مطالعے کے مطابق نیکی اور تقویٰ کی اس سے جامع تعریف کے لحاظ سے یہ آیتِ کریمہ قرآن حکیم میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے ۔ پھر آپ غور کریں گے تو اس آیت کی نسبت سورۃ العصر سے جس کا ہم نے کل صبح کی نشست میں مطالعہ کیا تھا کچھ ایسی ہے ۔ جیسے ایک بند کلی جو ذرا کھل گئی ہے ۔ اور اس کی پتیاں نمودار ہو گئی ہیں ۔ سورۃ العصر میں ایمان کی اصطلاح کا ذکر تھا ۔ یہاں بنیادی ایمانیات ۔ ایمان باللہ ۔ ایمان بالآخرہ ۔ ایمان بالملائکہ ۔ ایمان بالکتب اور ایمان بالنبوّت تفصیلی صورت میں بیان ہو گئے ۔ وہاں اعمال صالح کی اصطلاح استعمال ہوئی تھی ، یہاں عمل صالح کی تین محکم بنیادیں قائم ہو گئیں جن کو تین عنوانات دے جا سکتے ہیں ۔ پہلا انسانی ہمدردی، یعنی خدمتِ خلق کے لئے اپنا مال خرچ کرنا ۔ دوسرا العبادات، ان فرض عبادات میں سے دو اہم عبادات، اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کر دیا گیا ۔ تیسرا معاملاتِ انسانی، اس ضمن میں ایفائے عہد پر زور دیا گیا ۔ چونکہ تمدنی معاملات میں ایفائے عہد کو بڑی اہمیت اور اساسی مقام حاصل ہے ۔ آپ جب غور کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہمارے تمدّن کی گاڑی کسی نہ کسی نوع کے معاہدے کے تحت رواں ہے چاہے وہ باقاعدہ تحریری یا زبانی قول و قرار کے ذریعے ہو یا اس کے بغیر معروف کے مطابق محض معہود ذہنی (Understanding) کے طور پر ہو ۔ صبر کے تین مواقع ۔ فقر و فاقہ ، مصائب و شدائد اور حالاتِ جنگ یہاں بیان ہو گئے اور تواصی بالصبر کی تفصیل آ گئی ۔ البتہ تواصی بالحق کا یہاں ذکر نہیں ہے لیکن با دنیٰ تامّل و غور معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ تبعاً صبر کے ذیل میں موجود ہے چونکہ صبر کے جن تین مواقع کا بیان ہوا ہے ۔ ان سے اہل ایمان کا سابقہ ظاہر ہے کہ راہ حق کی دعوت و تبلیغ اور دین حق کے قیام کی جدوجہد ہی میں پیش آ سکتا ہے ۔"

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ "میرا احساس یہ ہے کہ جس طرح انسان کو زندہ رہنے کے لئے ہوا اور پانی کی ضرورت ہے اسی طرح اس کی فطرت میں نیکی کا ایک تقاضا اور جذبہ بھی جبلّی طور پر موجود ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم انسانی کا کوئی معاشرہ بھی نیکی کا کوئی نہ کوئی تصوّر رکھتا ہے اور اس پہ اپنی بساط تک عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے"۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مختلف طبقات کے تصوّراتِ نیکی کا تجزیہ کرنے کے بعد فرمایا کہ "از روئے قرآن نیکی صرف وہ قرار پائے گی۔ جس میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرّسالت موجود ہو۔ نیکی کی اصل قوتِ متحرکہ (MOTIVATING FORCE) یہ ایمانیات ثلاثہ نہ ہوں تو پھر نیکی ایک کاروبار، بن جاتی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے اس آیتِ کریمہ کے ایک ایک لفظ کی تفصیل بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائی۔ ڈیڑھ گھنٹے تک علم و عرفان کا دریا موصوف کی زبان ترجمان حقیقت بیان سے بہتا رہا۔ ہال میں جہاں ساڑھے تین سو کے لگ بھگ طلبہ موجود تھے۔ پوری تقریر کے دوران کامل خاموشی رہی ہر شخص کے گوش بر بیان تھے (PIN DROP SILENCE) کا سماں تھا اور حاضرین کی نگاہیں۔ قرآن حکیم کے معارف بیان کرنے والے اس خطیب کے چہرے پر عقیدت و احترام کے جذبے کے ساتھ جمی ہوئی تھیں۔ جس کے اندازِ تقریر اور طرزِ استدلال میں سحر کا سا اثر تھا۔ جس سے پورا مجمع مسحور تھا ڈاکٹر صاحب نے اختتام کلام پر فرمایا کہ "سورۃ العصر کا خلاصہ یہ تھا کہ ابدی خسران سے محفوظ رہنے کی استثنائی صورت ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر ہمارے سامنے آئی۔ اس آیت مبارکہ کا خلاصہ اور مرکزی مقصد اس طور پہ ہمارے سامنے آیا کہ اللہ کی نظر میں حقیقی نیکوکار، صادق القول اور متقی صرف وہ لوگ ہیں جو صاحب ایمان ہوں۔ جن میں انسانی ہمدردی اور

خدمتِ خلق کے لئے اپنا مال صرف کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ جو عباداتِ مفروضہ کو ادا کرنے والے، جو معاملاتِ انسانی میں عہد و معاہدے کی پابندی کرنے والے اور جو اللہ کے دین کے قیام اور غلبے کے لئے جدّ و جہد کرنے والے اور اس راہ میں پیش

آنے والے تمام کٹھن مراحل و مواقع (فقر و فاقہ - مصائب و شدائد اور قتال) میں ثابت قدم رہنے والے یعنی صبر کرنے والے ہوں - چنانچہ آیت کریمہ کے خاتمے پر فرما دیا گیا کہ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥

اس خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے طلبہ کو دعوت دی کہ "وہ کل اور آج کے درس کے متعلق سوالات کر سکتے ہیں نیز دین سے متعلق جو بھی شبہات و اشکالات ان کے ذہن میں ہوں، وہ بلا تکلف بیان کریں میں کوشش کرونگا اپنی امکانی حد تک ان کو مطمئن کروں" ــــ ڈاکٹر صاحب کی اس دعوت کے بعد طلبہ اور اساتذہ نے مختلف سوالات اور اشکالات پیش کئے اور موصوف نے نہایت خندہ پیشانی اور مدلّل و دلنشین انداز میں ان کے جوابات پیش کئے - سوال و جواب کا یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا - استفسار کرنے والوں نے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنے اشکالات پیش کئے اور ڈاکٹر صاحب نے ہر مستفسر کو مطمئن کرنے کی کوشش فرمائی - طلباء نے ڈاکٹر صاحب کی اس کھلی دعوت سے خوب فائدہ حاصل کیا - ان کی خواہش تھی کہ اسی حیلے سے وہ قرآن حکیم کے علوم و معارف کے اس غوّاص سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور سوال و جواب کا یہ سلسلہ مزید چلتا رہے - لیکن ہمارے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک صاحب کو احساس تھا کہ معزز مہمان ڈیڑھ دن کے سفر سے واپس آئے ہیں اور حرارت و تکان کے باوصف پورے انہماک کے ساتھ اس سوال و جواب کو جاری رکھے ہوتے ہیں - لہٰذا موصوف نے گیارہ بجے کے قریب طلباء سے فرمایا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو وادی کاغان و ناران سے بے حد شغف ہے - اُمید ہے کہ موصوف جب بھی اس طرف تشریف لائیں گے تو ہمارے کالج کو اپنے زرّیں خیالات سے مستفید فرمائیں گے - نیز ان شاء اللہ ہم بھی کالج کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو گاہے گاہے مدعو کرتے رہیں گے تاکہ ان کی قرآن فہمی سے کالج کے طلبہ فیضیاب ہو سکیں ویسے الحمدللہ ہمارے کالج کے طلباء ــــــــ اور اسٹاف ہر جمعرات کو ڈاکٹر صاحب کے ٹی وی پروگرام "الھدیٰ" سے مستفیض ہوتے ہیں - یہ پروگرام کالج میں اجتماعی طور پر دیکھا جاتا ہے -

بعدہ جناب پرنسپل صاحب نے فرمایا کہ "حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ان دو خطابات سے میں نے اپنے طور پر کافی استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے علم دین اور خاص طور پر قرآن فہمی عطا فرمائی ہے وہاں ان کو نہایت مؤثر اندازِ خطاب اور مستحکم طرزِ استدلال سے بھی نوازا ہے۔ اس پر سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب علوم جدیدہ سے بھی کماحقہٗ بہرہ مند ہیں۔ وہ ان باطل نظریات سے بخوبی واقف ہیں جو مادہ پرستانہ اور ملحدانہ افکار کے حامل ہیں اور جن کا دنیا میں اس وقت تسلّط ہے۔ ان افکار کے ابطال اور دین کی صحیح دعوت و تبلیغ کے لئے ڈاکٹر صاحب جیسے صاحب علم و فضل کی پاکستان کو شدید ضرورت ہے۔

آخر میں پرنسپل صاحب نے فرمایا کہ "میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی اور دلی طور پر ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ وہ اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے اور ہمیں قرآن حکیم کے پیغام لازوال سے روشناس کرایا۔ میں ڈاکٹر صاحب کی صحت کے ساتھ درازی عمر اور اضافہ علم و فہم کے لئے دُعاگو ہوں۔"

بعدہ محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اجتماعی دُعا کرائی اور اس طرح یہ تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ

اپنے مومن بندوں کو کن اوصاف سے متصف دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے اپنے مومن بندوں سے مطالبات کیا ہیں! اس کے لئے ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر اسرار احمد کا مرتب کردہ قرآن حکیم کے

"منتخب نصاب"

کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حصہ اوّل و دوم یک جا دستیاب ہے، فی نسخہ دس روپے

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (الحدیث)
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱ - ۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰ - سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰ - سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰ - سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰ - سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰ سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا، تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰-سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سورۃ الحجرات (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صف و الجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ اُمتِ مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی-پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیریز لاہور

تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون ۸۵۲۶۱۱ ۸۵۲۹۸۳

قسط ۲

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دِن

ایک رپورتاژ

از قلم :۔ قاضی عبد القادر

عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کو ہم مدراس کے لئے روانہ ہو گئے ۔ مدراس کا فاصلہ یہاں سے ایک سومیل ہے ۔ یہاں سے والا جاہ پیٹ تک مختلف شہروں اور قصبوں میں مسلمانوں کے جاہ و حشمت کے نشان نظر آتے ہیں جہاں کبھی زمانہ میں مسلمان اپنی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتے رہے لیکن آج ان علاقوں پر خاموشی طاری ہے ۔ اس دورِ عروج میں جہاں آبادی ہی آبادی تھی۔ وہاں آج مکمل ویرانی ہے کہیں ٹوٹے ہوئے قلعے، کہیں ویران محلات اور کہیں اُجڑے ہوئے قبرستان ہیں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔ جیسے زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں ؎

بر مزارِ ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

خود ویلور شہر کی تاریخی شاندار عمارتیں مسلمانوں کی عزت اور اپنے اسلاف کی نا قدری کا ثبوت پیش کر رہی ہیں ۔ افسوس کہ اس کے اندر کی شاندار مسجد جانوروں کا مسکن بنی ہوئی ہے ۔ اللہ تعالےٰ کی مصلحت ہے ۔ کہ جس کو چاہے اقتدار سے نواز دیتا ہے اور جب چاہے محروم بھی کر دیتا ہے ۔ انسانی اقتدار کو زوال ہے، قدرتِ الٰہیہ لازوال ہے ۔ اللہ تعالےٰ کی یہ سنّت ہے کہ جس کسی قوم کو دنیوی اقتدار سے جب نوازتا ہے تو اس سے امتحان مقصود ہوتا ہے۔ اگر اس قوم نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے اقتدار کے انتظام کو جاری رکھا، خدا

کی مخلوق کے ساتھ انصاف و مساوات کا سلوک کیا، حقوقِ انسانی کو پامال نہیں کیا، عیّاشی میں مبتلا ہوکر اللہ کے اس انعام کی ناقدری نہیں کی تو ان صلحاء کے ساتھ یہ نعمت وراثت کے طور پر ان کی نسلوں میں باقی رکھی جاتی ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے اُلٹ ہو تو یہ نعمت چھین بھی لی جاتی ہے اور پھر اس سے کسی دوسرے کو نواز دیا جاتا ہے۔ تلک الایام نداولھا بین الناس

مدراس کی جانب ہماری گاڑی پوری رفتار کے ساتھ چلی جارہی تھی۔ چونکہ وہاں جلد پہنچنا تھا اس لئے رفتار مزید تیز کرنی پڑی راستہ میں مغرب کا وقت آیا۔ سوچا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مولوی عبدالجمیل صاحب چونکہ ان راستوں سے سینکڑوں بار گزرے ہیں اس لئے انہیں سڑک کے ہر نشیب و فراز کا پتہ تھا، ایک ایک پتھر کا پتہ تھا۔ جیسے وہ ہم سے کہہ رہے ہوں ؎

انہیں پتھروں پر چل کے اگر آسکو تو آؤ ‏ میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

مولوی عبدالجمیل صاحب کے فرمانے کے مطابق تھوڑی دُور چل کر سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی مسجد آگئی۔ جہاں ہم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ یہاں باجماعت نماز کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ جو آگیا۔ نماز پڑھ لی۔ وضو کے لئے بدھنے رکھے تھے، وہی بدھنے جسے پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک بار طنزاً مسلمانوں کی تہذیب کے تین اجزاء میں سے ایک جُز قرار دیا تھا (باقی دو اجزاء پاجامہ اور استنجہ کا ڈھیلا تھے) میں نے دیکھا کہ یہ بدھنے ہمارے ملک سے تو غائب ہوگئے ہیں لیکن یہاں بھارت میں ابھی تک موجود ہیں۔ بچپن میں کسی شاعر کے چند اشعار جن میں بدھنے کا ذکر آتا تھا۔ ہم بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ اشعار تو کچھ "یوں ہی سے" تھے لیکن بچپن میں نہ جانے کیوں یہ اشعار کچھ اچھے لگتے تھے۔ بچپن ہی جو ٹھیرا۔ لیجئے آپ بھی سُن لیجئے اور ہماری بچپن کی "بے ذوقی" یا "بدذوقی" کی داد دیجئے۔ ؎

شاید خزاں میں آگ لگادی بہار نے
موٹر سے ایک ڈولی لڑا دی کہار نے
غربت میں شیخ جی کریں کس ظرف سے وضو
بدھنا بھی دیا اِک نہ بنا کر کمہار نے

کھٹیا پہ کل سے کھانس رہا ہے پڑا ہوا
وہ پٹخنا دیا ہے عدو کو بخار نے
ظالم چرا کر لے گیا ذرّہ ہمارا دل
لیکن رپٹ لکھی نہ کسی تھانیدار نے

لیکن ٹھیرئے - اگر ان کو پڑھ کر میری "بد ذوقی" کا آپ ماتم کرنے لگے ہوں - اور آپ کی پیشانی شکن آلود ہو تو لیجئے میں ان اشعار کو بصد معذرت واپس لیتا ہوں - کہیئے اب خوش ہو گئے نا آپ!

بات بدھنے کی ہو رہی تھی اور میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا - عرض یہ کر رہا تھا کہ اس چھوٹی سی خستہ حال مسجد میں چند ٹوٹے پھوٹے بدھنے رکھے تھے. ایک کنواں تھا، گہرا بلکہ بہت ہی گہرا - ایک ڈول رکھا تھا - جو آتا تھا - ڈول سے پانی نکال کر اپنا بدھنا بھر لیتا تھا اور خدمت خلق کے طور پر چند اور بدھنوں میں بھی پانی ڈال دیتا تھا -

مغرب کی نماز پڑھ کر کار پھر روانہ ہوئی - راستہ میں پیاس زیادہ محسوس ہوئی تو ایک جگہ کار روکی گئی - ہم نے کولڈ ڈرنک پیا — ادھر جو دیکھا تو مولوی عبدالجمیل صاحب غائب تھے - تھوڑی دیر کے بعد اُن کی واپسی ہوئی - معلوم ہوا کہ قریب کی مسجد میں تشریف لے گئے تھے - ڈاکٹر صاحب نے پوچھا مولانا کہاں تشریف لے گئے تھے - مسکرا کر جواب دیا "تصفیہ کرنے" اور اُن کے "تصفیہ کرنے" کے لفظ پر ہم لوگ بہت دیر تک محظوظ ہوتے رہے -

مدراس میں اپنی قیام گاہ پہنچ کر سانس لیا ہی تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ عبدالصمد صاحب اور ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ایک صاحب کو ساتھ لئے چلے آ رہے ہیں. تعارف ہونے پر پتہ چلا کہ نواب صاحب آرکاٹ کے بیٹے ہیں - یہاں میں یہ بتاتا چلوں کہ ۱۱ ربیع الاوّل کی شام کو ملک کے دیگر شہروں کی طرح مدراس میں بھی میلاد کمیٹی کے زیر اہتمام میلاد النبیؐ کا شاندار جلوس نکلتا ہے جس کا اختتام جامع مسجد والاجاہی پر ہوتا ہے - مغرب کے بعد تقاریر وغیرہ کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے تو فجر کی اذان تک چلتا ہے - آج کی شام اور پھر پوری رات یہاں پر جشن کا سا سماں ہوتا ہے - نہ صرف مسجد والاجاہی کا احاطہ لوگوں سے پُر ہوتا

ہے بلکہ سڑکوں اور گلیوں تک "فرزندانِ توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر" نظر آتا ہے پچھلے دس دنوں میں جلسوں میں جتنی روزانہ حاضری ہوتی تھی آج اس سے دس پندرہ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ یوں سمجھئے جیسے پورا شہر اُمنڈ آیا ہو ــــ آج رات کے جلسہ کی صدارت نواب صاحب آرکاٹ کرتے ہیں، یہ روایت برسہا برس سے چلی آرہی ہے۔

چونکہ آج رات کے جلسہ کی صدارت نواب صاحب کو کرنی تھی اس لئے انہوں نے مہمان مقرر یعنی ڈاکٹر صاحب کو مدعو کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھیجا ــــ یہ تھی اُن کی شانِ نزول۔

میری تو کچھ طبیعت خراب تھی اس لئے میں تو نہ جاسکا اور اس جشن کی "دو نعمتوں" سے محروم رہا۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے اور حسبِ معمول رات کو بارہ بجے کے بعد ہی تشریف لائے۔ میں اُس وقت تک سو چکا تھا۔ طبیعت تو میری معمولی سی خراب تھی لیکن ہمارے میزبان محمد امین صاحب کچھ گھبرا گئے۔ کہنے لگے ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔ میں نے کہا اس کی ضرورت نہیں۔ کافی دیر تک میرے پاس رہے۔ پھر جب جلسہ میں شرکت کے لئے جانے لگے تو اپنے خادم سے تاکید سے کہہ گئے کہ میرا خصوصی خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے، انہیں کتنا خیال تھا میرا ــــ!

آج کے جلسہ کے لئے ایک خصوصی پوسٹر شائع ہوا تھا جس میں رات بھر کے پروگرام کی تفصیل تھی۔ بیانِ ولادت اور درود و سلام کے علاوہ کئی حضرات کی تقاریر تھیں۔ جن میں پہلا نام تھا ڈاکٹر صاحب کا اور دوسرا نام مولانا محمد اعجاز اسلم صاحب امیر جماعتِ اسلامی حلقہ ٹامل ناڈو کا تھا ــــ پہلی تقریر ڈاکٹر صاحب کی تھی جس کا موضوع تھا: ــــــــــــــ

ــــ "نبی اکرمؐ سے ہمارا تعلق" ــــ اس تقریر نے سامعین پر بہت عمدہ تاثر چھوڑا ــــ ہمارے عوام الناس نے نبی اکرمؐ سے تعلق کی جو بنیادیں قائم کی ہوئی تھیں اور اُن پر جو ردّے ہمارے مولوی حضرات نے چڑھائے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی بیان کردہ نبی اکرمؐ سے تعلق کی بنیادیں اُن سے بالکل مختلف تھیں ــــ کیونکہ زبان سے

نبی اکرمؐ کی شان میں تعریفوں کے پل باندھنا بہت آسان ہے مگر زندگی کو نبی اکرمؐ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا بہت مشکل۔ اس لئے کہ اس راہ میں مشکلات آتی ہیں۔ قربانیاں دینی ہوتی ہیں بقول شاعر ؎

ترکِ جاں و ترکِ مال و ترکِ سر
در طریقِ عشق اوّل منزل است

اور

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

جماعت اسلامی کے امیر مولانا محمد اعجاز اسلم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر پہلی بار سنی - وہ بھی بہت متاثر تھے۔ رات چونکہ خاصی ہوگئی تھی اور دن بھر سفر کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب تھکے ہوئے بھی تھے۔ اس لئے اپنی تقریر ختم کرکے واپس قیام گاہ آگئے۔ اور دوسرے مقرّر یعنی مولانا اعجاز اسلم صاحب کی تقریر نہ سن سکے۔ اگلے روز جب اعجاز اسلم صاحب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے ہماری قیام گاہ پر تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے اُن کی تقریر نہ سننے کی معذرت کی

مسجد والاجاہی جس کے احاطہ میں یہ جلسے ہوتے ہیں تاریخی مسجد ہے اسی کے زیرِ سایہ حضرت مولانا عبدالعلی لکھنویؒ کا مزار ہے۔ غیر مناسب نہ ہوگا اگر ان بزرگ کے سلسلہ میں بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

جس وقت صوبۂ مدراس پر انگریز مسلط ہوگئے اور آرکاٹ کے نوّاب اُن کے وفادار بن کر ظاہری شان و شوکت کے دن گذارنے لگے تو اس پورے صوبہ میں ضلع شمالی آرکاٹ ہی ایک ایسا مردم خیز علاقہ تھا جہاں سے علوم وعرفان کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوتے۔ پتہ نہیں کس رونے والی آنکھ نے اپنے آنسوؤں کے قیمتی موتی ان علاقوں میں بکھیر دیئے تھے جن کی روشنی سے یہ علاقہ جگمگا رہا تھا۔ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی شہادت کے بعد ان کی خالص اسلامی تحریک اغیار کی سازش اور

آپس کی بغاوت کے باعث جب ناکام ہوگئی تو اس تحریک کے علمبردار اور بے لوث خدمتگار ملک کے دُور دُور علاقوں میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے پھیل گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی رامپوری رح (خلیفہ حضرت شہید بریلوی رح) مدراس پہنچ کر مسجد امیر النساء، ترملکھڑی میں قیام پذیر ہوئے۔ ایک سال تک شہر اور اطراف کے علاقوں میں دینی علوم و معارف سے ہزاروں عوام کو مستفید فرمایا۔ اصلاحِ اعمال و عقائد کی یہ دینی خدمت اُن دنوں پورے شباب پر تھی۔ نواب والاجاہ بہادر خود اُن کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کی بیگم حضرت سے بیعت ہو چکی تھیں۔ دنیا دار علماء نے اپنے مفاد کی خاطر ان کے خلاف سازشیں شروع کیں۔ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحؒ کی تصنیف "تقویۃ الایمان" کے متعلق خواص و عوام کو اُبھارا۔ اس کتاب کے مضامین کو مصنف کے مذاق کے خلاف غلط جامہ پہنا کر حضرت سے استفسار شروع کر دیا اور اس کتاب کے متعلق باقاعدہ علماء کی مجلسیں استفسار کے لئے

الحمد للہ

جامعُ القُرآن

یعنی قرآن اکیڈمی ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن کی جامع مسجد میں

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا

ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب

قرآن حکیم کے ابتداء سے مسلسل درس قرآن کا وہ سلسلہ جاری ہے
جس کا آغاز مسجد خضراء سمن آباد میں ہوا تھا اور جو بعد میں مسجد
شہداء میں جاری رہا۔ اب بحمداللہ سورہ صٓ کا درس جاری ہے۔

بعد عشاء شب بیداری کا
بھی سلسلہ جاری ہے۔

نواب صاحب نے منعقد کیں۔ اس کے بعد حضرت قاضی بدرالدولہؒ نے (موجودہ سر قاضی حبیب اللہ صاحب کے جدِّ امجد) جو سرکار کی طرف سے شعبۂ قضاوت کے صدر تھے، اس کی تائید میں فتویٰ صادر فرما دیا لیکن مخالفت کا سلسلہ بیرونی سازشوں کی وجہ سے بند نہ ہو سکا۔ حضرت رام پوریؒ سے اُن کے دورانِ قیام میں ہزاروں خواص و عوام بیعت ہو چکے تھے لیکن مفاد پرست افراد کی مسلسل سازشوں سے دل برداشتہ ہو کر حضرت نے حج کے ارادہ سے اس علاقہ کو خیر باد کہہ دیا۔

اس بزرگ کے دینی و رُوحانی فیوض کے اثرات کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالعلی لکھنویؒ کو دینی خدمت کے لئے راہ ہموار ہوئی اور مسجد والاجاہی کے زیر سایہ ایک خالص دینی درس گاہ قائم ہوئی موصوف اپنی خدماتِ علمی کی بنا پر بحر العلوم کے خطاب سے مشہور ہوئے جن کا مزار مسجد والاجاہی کے پہلو میں خدماتِ عالیہ کی عظمتِ رفتہ کی یاد دلا رہا ہے۔

میں نے اُن کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی۔ مزار کے اُوپر تحریر تھا:-

مولانا ملک العلماء بحر العلوم عبدالعلی محمدؐ

۱۳ ر رجب ۱۲۲۵ھ

از سرِ طلبہ کہو شرقی یہ تاریخِ وصال
اب جہاں سے ہو چکی ہے رحلتِ بحر العلوم

۱۹- جنوری بروز پیر

آج صبح مختلف حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے آتے رہے۔ مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب اور مولوی عبدالجبار صاحب کے علاوہ حسب ذیل حضرات ملاقات کو تشریف لائے اور مختلف مسائل پر دیر تک ڈاکٹر صاحب سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے (۱) اعجاز احمد اسلم صاحب ایم۔ اے۔ امیر جماعتِ اسلامی صوبہ ٹامل ناڈو (مدراس)، جو ڈاکٹر صاحب کی رات کی تقریر سے اتنے متاثر تھے کہ صبح ہی ملاقات کے لئے تشریف لے آئے اور بہت دیر تک تحریکی

مسائل پر گفتگو فرماتے رہے (۲) عبدالرقیب صاحب ناظم اسٹوڈنٹس اسلامک سرکل ٹامل ناڈو مع دو عدد رفقاء کے - انہوں نے اپنی تنظیم کا تفصیل سے تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ کس طرح طلباء میں کام کر رہے ہیں - اپنے کچھ تعارفی (LEAFLETS) بھی پیش کیئے - جن سے اُن کی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا - ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کی کتب کا ایک سیٹ ہدیہ کیا - ان کی سرگرمیاں اسی طرح کی ہیں جس طرح ہمارے ہاں اسلامی جمعیت طلباء کی - سال میں تین چار بار صوبے کے مختلف مقامات پر ان کی تربیت گاہیں (TRAINING CAMPS) بھی منعقد ہوتی ہیں - ان نوجوانوں سے مل کر واقعہ یہ ہے کہ دل بہت خوش ہوا - اللہ تعالےٰ ان کو راہِ راست پر گامزن رکھے اور ان کی سعی وجہد کو قبول فرمائے آمین ! (۳) عظیمی صاحب (معذرت خواہ ہوں کہ ان کا پورا نام ذہن میں محفوظ نہیں رہا) ان بزرگوار کی زندگی کا مشن عربی کی تعلیم کا فروغ ہے تاکہ لوگوں کو قرآن حکیم سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس سلسلہ میں ایک کتابچہ بھی تحریر کیا ہے - اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے انہیں کچھ مفید مشورے دیئے - اور اپنے کتابچے پیش فرمائے - گو کہ بہت ضعیف ہیں لیکن کام کی دھن کے اعتبار سے جوانوں کا سا دِل رکھتے ہیں - (۴) کرامت اللہ بہنی صاحب اور رشید احمد صاحب — یہ دونوں نوجوان اس سے قبل بھی کئی بار آچکے تھے اور چاہتے تھے کہ عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کا سالانہ اجلاس منعقد کریں جس میں ڈاکٹر صاحب خطاب فرمائیں - اجلاس اپنے دفتر میں کرنا چاہتے تھے لیکن بعد میں یہ طے ہوا کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو یہ سالانہ اجلاس احاطہ مسجد والا جاہی میں عصر تا مغرب منعقد ہو - جس میں ڈاکٹر صاحب تقریر فرمائیں - اس وقت یہ حضرات اسی سلسلہ میں یاد دہانی اور مزید کچھ گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے تھے - عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کا نہ صرف پوسٹر شائع ہوا بلکہ باقاعدہ دعوت نامے بھی طبع کرائے گئے جو خصوصی حضرات کی خدمت میں ارسال کئے گئے - (۵) یہاں کے ایک بہت بڑے چمڑے کے تاجر ہیں بلکہ چند بڑوں میں سے ایک ہیں - اسم گرامی ہے اُن کا ٹی عبدالواحد صاحب - اُن کے صاحبزادے بھی آج ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کیلئے

تشریف لائے ہوئے تھے۔ ٹی عبدالواحد صاحب نہ صرف بڑے کامیاب تاجر ہیں بلکہ بہت ہی صاف ستھرا دینی و علمی ذوق رکھتے ہیں۔ دیوبند اور ندوہ سے متاثر ہیں۔ آپ نے مدراس میں ایک اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن قائم کی ہوئی ہے جس کے تحت علمی و تحقیقی کام کے علاوہ جید علماء کرام کو خطبات دینے کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ جن میں مولانا عبدالماجد دریاآبادیؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی بھی شامل ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے یہاں پر جو لیکچر زدیئے تھے اُن کا مجموعہ "ٹی۔ عبدالواحد اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن" نے "مشکلات القرآن یا قرآنی مطالعہ بیسویں صدی میں" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ہمیں آج اپنے گھر پر دوپہر کے کھانے پہ مدعو فرمایا تھا۔ ہمارے علاوہ عبدالصمد صاحب، محمد امین صاحب، محمد حیات صاحب عظیم صاحب اور افضال صاحب بھی مدعو تھے۔ دسترخوان انواع و اقسام کے پرتکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا۔ اقسام اس قدر تھیں کہ گِننا مشکل تھا ـــــ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے بہت ہی تکلف سے کام لیا تھا۔ یہاں پر میں عطاء اللہ صاحب کا نام لئے بغیر نہیں گذر سکتا یہ صاحب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے بہت ہی قریبی عزیز تھے اور کھانا کھلانے پر مامور تھے۔ مامور کیا تھے بلکہ دسترخوان کے "داروغہ" تھے۔ ایک ایک چیز کھلاتے پر بے حد اصرار کرنا اور منع کرنے کے باوجود پلیٹوں میں ڈالتے چلے جانا ـــــ ان کی ہم سے بے حد محبت کی دلیل تھا ـــــ ہم کو تو نہیں لیکن ہمارے ایک آدھ مدراسی رفیق کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے کچھ کوفت سی محسوس ہونے لگی۔ ایسے موقعہ پر ہوتا یہ ہے کہ اگر بہت سے کھانے دسترخوان پر موجود ہوں تو ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی رغبت کے لحاظ سے کوئی چیز زیادہ اور کوئی چیز کم اپنی پلیٹ میں نکالتا ہے۔ اس کے لئے اُسے آزاد چھوڑ دیا جائے تو بہتر رہتا ہے لیکن اگر اس کا لحاظ کئے بغیر ہر قسم کا کھانا اُس کی پلیٹ میں جبراً بھر دیا جائے تو ظاہر ہے اُسے کچھ کوفت محسوس ہوگی ـــــ ہمیں بہر حال یہ کوفت محسوس نہیں ہوئی اور اگر ہوتی بھی تو اس کا علاج ہمارے لئے "کوفتے" تھے۔

عصر کے فوراً بعد احاطہ مسجد والاجاہی کے پنڈال میں عربک اسٹڈی سرکل وصفہ

لائبریری کا سالانہ جلسہ تھا۔ سب سے پہلے سید کرامت اللہ بہمنی صاحب نے سرکل ولائبریری کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ بعدازاں ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ مغرب سے قبل اجتماع کی کاروائی ختم ہوئی۔

مغرب کے بعد سیرت نبوی پر ڈاکٹر صاحب کی آخری تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا "نبی اکرمؐ کے مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض"

عشاء کے بعد ہم عبدالصمد صاحب کے گھر گئے۔ انہوں نے آج اپنے ہاں ہمیں کھانے پر مدعو فرمایا تھا۔ دعوتیں کھا کھا کر سچی بات تو یہ ہے کہ اپنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ سادہ کھانا کہیں سے کھانے کو ملے۔ کچھ ایسا ہی حال ڈاکٹر صاحب کا معلوم ہوتا تھا۔ عبدالصمد صاحب نے بڑا کرم کیا کہ کھانے کے ITEMS کم رکھے مگر جو کچھ تھا انتہائی لذیذ تھا۔

عبدالصمد صاحب کے ہاں سے فارغ ہو کر ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ صبح کی فلائٹ سے ہمیں بمبئی روانہ ہونا تھا اس لئے اس کی تیاری کرنی تھی ـــ لیکن یہاں پر تو ملاقاتیوں کا تانتا بندھ گیا ـــ سب سے پہلے مولوی عبدالجلیل صاحب اور ان کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب تشریف لائے۔ پھر ملنگ محمد حیات صاحب کی تشریف آوری ہوئی۔ ملنگ کے لفظ سے آپ دھوکا نہ کھائیں۔ یہ ہمارے ہاں جیسے "ملنگ" نہیں ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور چمڑے کے بڑے بیوپاری ہیں۔ "ملنگ" تو دراصل ان کا SIRNAME ہے ـــ ان کے بعد تشریف لے آیا ایک پورا گروپ جو محمد اعجاز اسلم صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ تامل ناڈو محمد عتیق صاحب ناظم دفتر جماعت اسلامی، ان کے چند اور ساتھی اور اسٹوڈنٹس اسلامک سرکل کے چند نوجوانوں پر مشتمل تھا ـــ اب ایک مشکل مرحلہ درپیش تھا ـــ ایک طرف تھے مولوی عبدالجلیل صاحب جنہیں جماعت اسلامی سے خداواسطے کا بیر تھا اور ان کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب ـــ اور دوسری طرف تھے ـــ جماعت اسلامی کے امیر و دیگر رفقاء کرام ـــ آگ اور پانی جمع ہو گئے تھے ـــ جماعت کے ساتھیوں کو تو مولوی عبدالجلیل صاحب کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا لیکن مولوی صاحب جماعت والوں کے ساتھ بیٹھیں یہ ناممکن تھا۔

اس کا حل ہم نے یہ نکالا کہ میں تو سونے کے کمرہ (BED-ROOM) میں مولوی عبدالجمیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب کو لے کر بیٹھ گیا اور اُن سے گفتگو کرتا رہا اور ڈاکٹر صاحب ڈرائنگ روم میں جماعت کے امیر اور رفقاء کے ساتھ تشریف فرما ہوتے - جماعت کے یہ حضرات مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب سے باقاعدہ گفتگو کرنے آئے تھے - ایک ٹیپ ریکارڈ بھی ساتھ لائے تھے جس سے پوری گفتگو ریکارڈ کی گئی - ڈیڑھ دو گھنٹہ تک تبادلۂ خیالات جاری رہا ـــ یہ عرصہ مجھ پر نہایت شاق گذرا ـــ میں اس گفتگو میں سننے کی حد تک ضرور شرکت چاہتا تھا ـــ کبھی کبھی ذرا سی دیر آکر بیٹھ بھی جاتا تھا مگر پھر اس خیال سے کہ مولوی عبدالجمیل صاحب کچھ محسوس نہ کریں پھر اُٹھ کر اُن کے پاس جا بیٹھتا ـــ ویسے اس دوران مولوی صاحب سے میری گفتگو بھی بہت مفید رہی اور میری معلومات میں خاصا اضافہ ہوا مثلاً ـــ

ـــ یہ کہ شہر مدراس کی آبادی تقریباً ۳۴ لاکھ ہے - جس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہے -

ـــ صوبہ ٹامل ناڈو کی آبادی سات کروڑ کے لگ بھگ ہے - جن میں مسلمان تقریباً نو لاکھ ہیں -

ـــ پورے صوبہ میں مسلمانوں کے چوبیس کالج ہیں جن میں اکثریت غیر مسلم طلباء کی ہے - بعض مقامات پر تو غیر مسلم طلباء ـــــــــــ اسّی فی صد تک ہیں - ستّر ہائی اسکول لڑکوں کے اور پانچ لڑکیوں کے ہیں یہ سب ادارے سرکاری امداد کے ساتھ چل رہے ہیں -

مدراس کا علاقہ پیری میٹ چمڑے کی عالمی منڈیوں میں سے ایک ہے اور یہاں کی پوری تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے - تمباکو اور بیڑی کی تجارت بھی اکثر و بیشتر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے -

صوبہ ٹامل ناڈو کے گورنر (صادق علی صاحب) مسلمان، صوبہ کی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس (محمد اسمٰعیل صاحب) مسلمان ـــ وزیر اوقاف، بلدیاتی ادارے اور دیہی ترقی (ضیاء محمد صاحب) مسلمان - نیز مدراس کے انسپکٹر جنرل پولیس بھی مسلمان ہیں - صوبہ میں آبادی کا اتنا کم تناسب ہونے کے باوجود اتنے اہم عہدے مسلمانوں کے پاس ہونا ایک اچھی علامت ہے -

ہم مدراس تک تو پہنچ ہی گئے تھے اب جنوبی ہند کا آخری کنارہ یعنی راس کماری کوئی زیادہ دُور نہ تھا۔ اگر ویزا کی پابندیاں نہ ہوتیں تو راس کماری ضرور جاکر دیکھتے اور وہاں سے سمندر کے پار لنکا کا ساحل بھی دیکھ لیتے ــــ راس کماری کو یوں بھی ہماری سیاسی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ غیر منقسم انڈیا میں جب بھی کوئی تحریک چلتی تو نعرہ یہی ہوتا "خیبر سے راس کماری تک" یعنی راس کماری کا نام ضرور آتا مولوی عبدالجمیل صاحب نے انکشاف فرمایا کہ تقسیم کے بعد اس کماری کو بھی شُدّھی کر لیا گیا ہے ــــ تو اے پاکستانی مسلمانو! سُن لو اب "راس کماری" نہیں رہا اب اُس کا نام "کنہیا کماری" ہے ــــ "کنہیا کماری"۔ کہیے آیا خیال شریف میں ــــ !!

امیر جماعت اسلامی اور اُن کے رفقاء سے ڈاکٹر صاحب کی کیا گفتگو ہوئی؟ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، میں چونکہ باوجود خواہش کے اس محفل میں موجود نہ تھا اس لئے اُس گفتگو کو نہ سن سکا ورنہ ضرور قلمبند کرتا اور آپ کو سُناتا ــــ مدراس سے صبح ہی روانہ ہونا تھا اس لئے وقت نہ تھا ورنہ وہ ٹیپ ہی سُن لیتا جو جماعت کے رفقاء نے کیا تھا ــــ البتہ تھوڑی سی دیر وہاں بیٹھنے سے یہ معلوم ہوا کہ امیر جماعت اسلامی جناب محمد اعجاز اسلم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو حیدر آباد دکن میں اگلے ماہ ہونے والے کُل ہند سالانہ اجتماع میں شرکت کی دعوت دی بلکہ اس پر اصرار بھی کیا ــــ

ــــ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ابھی اجتماع ہونے میں ایک ماہ کے قریب کا عرصہ ہے اتنا عرصہ یہاں پر ٹھیرا نہیں جا سکتا اور دوسرے یہ کہ ویزا میں حیدر آباد دکن کا مقام درج نہیں کہ وہاں پر جایا جا سکے۔ اس لئے اگر آپ کی یہ خواہش ہی ہے کہ میں سالانہ اجتماع میں ضرور شرکت کروں تو آپ مرکز جماعت کی جانب سے باقاعدہ دعوت نامہ مجھے میرے لاہور کے پتہ پر بھجوا دیجئے چونکہ انڈیا جانے کی اجازت سال میں صرف ایک ہی دفعہ ملتی ہے اس لئے آپ کا باقاعدہ دعوت نامہ آنے پر مجھے دوبارہ اجازت حاصل کرنے میں بھی آسانی رہے گی ــــ امیر جماعت فرمانے لگے کہ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف صاحب عنقریب یہاں صوبہ کے دورہ پر تشریف

لانے والے ہیں، اُن سے گفتگو کر کے اِن شاء اللہ دعوت نامہ ارسال کر دیا جائے گا ـــــ لیکن یہ دعوت نامہ ڈاکٹر صاحب کو موصول نہیں ہوا، ممکن ہے کہ ڈاک کی بدنظمی کی نذر ہو گیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ جناب اعجاز احمد اسلم صاحب امیر جماعت سے بات کرنا بھول گئے ہوں اور اس کا بھی امکان ہے کہ پاکستانی "دوستوں" کی ناراضگی کا خیال کرتے ہوئے دعوت نامہ نہ بھیجنے ہی میں مصلحت سمجھی گئی ہو۔

صوبہ ٹامل ناڈو اور قریب وجوار میں ہریجنوں کو مسلمان بنانے کی مہم کافی ـــــ عرصہ سے خاموشی کے ساتھ چل رہی ہے ۔ جماعت اسلامی بھی اس سلسلہ میں خاصا موثر کام کر رہی ہے ۔ اس کے رفقاء کی سعی وجہد سے بہت سے ہریجن مسلمان ہو چکے ہیں ۔ جماعت نے اس سلسلہ میں ایک مستقل تربیت گاہ بھی قائم کر رکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جو ہریجن مسلمان ہوں انہیں ضروری تعلیم وتربیت دی جائے تاکہ وہ مسلمان معاشرہ میں اجنبی نہ رہیں بلکہ اپنا موثر کردار ادا کر سکیں ۔ پاکستان میں نئی نسل کے بہت سے نوجوان شاید ہریجنوں سے واقف نہ ہوں تو عرض ہے کہ ہندوؤں کے مذہب میں چھوت چھات بہت ہے ۔ بلکہ یہ ہے ہی چھوت چھات کا مذہب ۔ اونچی ذات کے ہندو برہمن کہلاتے ہیں اور نیچی ذات کے ہندو ہریجن ۔ اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں سے رشتہ داری وغیرہ تو بہت دور کی بات ہے میل ملاپ میں بھی عار محسوس کرتے ہیں اپنی دوکانوں سے انہیں سودا نہیں دیتے ۔ اپنے ہوٹلوں میں انہیں داخل نہیں ہونے دیتے انہیں ذلیل سمجھتے ہیں ـــ ان کے درمیان ہندوستان کے مختلف مقامات پر فسادات بھی ہوتے رہتے ہیں (ہندو مسلم فساد کی طرح یہ فسادات بھی بھارت میں عام ہیں) ۔ درجنوں ایسے دیہات ہوں گے جہاں ہریجنوں کی بستیاں اونچی ذات کے ہندوؤں نے جلا ڈالی ہیں ـــــ ہریجن اس صورتِ حال سے عرصۂ دراز سے پریشان ہیں ۔ ابھی پچھلے دنوں جنوبی ہند میں ہریجنوں کا ایک کنونشن بھی منعقد ہوا تھا ۔ جہاں یہ مسئلہ زیر غور آنا تھا ۔ کہ انہیں ہندو مذہب چھوڑ کر کس مذہب کو اختیار کرنا چاہئے ۔ اس کنونشن سے قبل عیسائیوں، مسلمانوں اور بدھ مت والوں نے ہر ممکن

کوشش کی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہو جائے - ڈاکٹر امبید کر جو ہریجنوں کے کُل ہند پیمانہ کے لیڈر ہیں اُن کا جھکاؤ بدھ مت کی طرف تھا - سُنا ہے کہ یہ کنونشن واضح فیصلہ کے بغیر ختم ہو گیا -

ڈاکٹر صاحب نے امیر جماعت اور رفقاء جماعت کو اس خدشہ کی طرف توجہ دلائی کہ یہ کام ابھی تک تو خاموشی کے ساتھ ہو رہا ہے پھر بھی یہ تو ناممکن ہے کہ ہندوؤں کو اس کا علم نہ ہو لیکن اگر یہ مہم زور پکڑ گئی تو عین ممکن ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے اس کا ردِ عمل شدید ہو - اور جنوبی ہند جو اکثر و بیشتر ابھی تک ہندو مسلم فسادات سے بچا ہوا ہے مبادا اس کی شدید لپیٹ میں آجائے — ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اسلام کی دعوت جس کی جماعت اسلامی علمبردار ہے وہ تو آفاقی (UNIVERSAL) ہے - اس کے مخاطب صرف مسلمان ہی نہیں عامۃ الناس ہیں اس لئے اصل دعوت کو چھوڑ کر یا اُس کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی یہ جزوی مہم بھی شروع کر دی گئی تو ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی دعوت اور غیر مسلموں کے درمیان BAR نہ بن جائیں — جماعت کے حضرات نے ڈاکٹر صاحب کی گفتگو نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ سنی اور ان کے موقف کو سراہا — یوں تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان حضرات کی پوری گفتگو نہایت ہی سکون اور اطمینان کے ماحول میں ہوئی کسی قسم کی بحث یا تلخی کا تو سوال ہی نہیں تھا — ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ڈاکٹر صاحب اپنے ہی ساتھیوں کے درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں -

جب یہ ہریجنوں کے مسلمان ہونے کی بات چل ہی نکلی ہے تو یہ اور بتاتا چلوں کہ ہمارے اس دورہ کے تقریباً ایک ماہ بعد یعنی فروری ۸۱ء میں وہاں سے (MASS CONVERSION) کی خبر آئی - یعنی صوبہ جات تامل ناڈو اور کیرالا کی سرحد پر واقع ایک گاؤں میناکشی پورم (MEENAKSHI PURAM) کے نام سے ہریجنوں کا تقریباً ایک پورا گاؤں کا گاؤں مسلمان ہو گیا - اس گاؤں کی آبادی ایک ہزار کے قریب ہو گی جس میں سے ۹۴۷ افراد نے اسلام قبول کر لیا - نو مسلموں نے گاؤں کا نام بدلکر "رحمت نگر"

رکھ دیا ۔ —— اس کے بعد امید ہو چلی ہے کہ قریب کے گاؤں کے ہریجن بھی اسلام قبول کر لیں گے ۔ کیونکہ انگریزی کے مشہور اخبار "انڈین ایکسپریس" کے مطابق وہاں کا اب GENERAL MOOD یہی ہو اُس کے الفاظ ہیں:

("THE GENERAL MOOD AMONG THE HARIJANS IN THE DISTRICT AS A WHOLE SEEMS TO BE IN FAVOUR OF EMBRACING ISLAM")

اس گاؤں کے باشندے ہریجن ضرور تھے لیکن اکثریت تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے۔ ان میں ڈاکٹر بھی ہیں، سرکاری ملازمین بھی ہیں ۔ پولیس کی ملازمت میں بھی ہیں، اسکولوں میں استاذ بھی اور تاجر پیشہ حضرات بھی ۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جو SOCIAL STATUS انہیں اسلام میں ملا ہے وہ نہ عیسائیت میں مل سکتا تھا اور نہ بدھ مت میں ۔ ان حضرات کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی اگر کمی تھی تو SOCIAL STATUS کی اور وہ اسلام کی آغوش میں انہیں حاصل ہو گیا ۔ انہیں مسلم معاشرہ میں وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو نسلی مسلمانوں (BORN MUSLIMS) کو حاصل ہیں ۔ نسلی مسلمان "رحمت نگر" کے نومسلموں کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے کرنے کو تیار ہیں بلکہ انہیں اپنی بیٹیاں دینے کو تیار ہیں ۔ عیسائیت کے بارے میں نومسلموں کا خیال ہے کہ انہیں صرف اپنی تعداد بڑھانے کی فکر ہوتی ہے ۔ انہیں عیسائی بنا لینے کے بعد اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ کون شخص کس حال میں ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے جن خدشات کا ذکر کیا تھا وہ اس لحاظ سے فوراً ہی سامنے آرہے ہیں ۔ کہ انڈیا کے قومی پریس نے اس مہم پر بڑا واویلا مچایا ہوا ہے ۔ بتایا گیا ہے کہ یہ مہم ۱۹۶۹ء سے خاموشی سے جاری ہے اور اب تک آٹھ ہزار سے زائد ہندو مسلمان ہو چکے ہیں ۔ ہندوؤں کی مذہبی اور سماجی تنظیمیں بھی حرکت میں آگئی ہیں ۔ آریہ سماج نے اپنا ایک وفد جنوبی ہند بھیجا تاکہ صورتحال کی پوری رپورٹ پیش کرے ۔ یہ بھی شور مچایا گیا کہ مسلمانوں کو اس سلسلہ

میں سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں سے ہریجنوں میں تقسیم کیلئے پیسہ مل رہا ہے اور یہ سب کچھ اسی پیسہ کا کھیل ہے — جنوبی ہند کی ایک ہندو تنظیم نے اس کا فوری نوٹس لیتے ہوئے ہریجنوں کی اونچی ذات کے ہندوؤں کی طرف سے شکایات اور تکالیف دُور کرنے کی مہم چلائی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اونچی ذات کے ہندوؤں نے ہریجنوں کی تقاریب میں شرکت کرنا اور ان کے کالی مندروں (KALT TEMPLES) میں جانا شروع کر دیا ہے۔ اس تنظیم کا دعویٰ ہے کہ اس کی کوششوں سے اب تک اڑتیس ہزار نومسلموں کو دوبارہ ہندومت میں لایا جا چکا ہے۔ بہرحال ہریجنوں کو منانے اور اُن کی شکایات دُور کرنے کی مہم زوروں پر جاری ہے تاکہ ہریجنوں کو مسلمان ہونے سے روکا جا سکے — خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں کہیں ہندو مسلم فساد کی نوبت تو نہیں آئی لیکن ہندوستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ خدانخواستہ کب کیا ہو جائے — اللہ تعالیٰ وہاں کے مسلمانوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین! اس کا بھی خدشہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس کا نوٹس لیا جائے۔

واضح رہے کہ ہریجنوں میں اسلام کی تبلیغ کا یہ کام صرف جماعت اسلامی ہی نہیں کر رہی بلکہ اس میں بہت بڑا حصہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کی ایک تنظیم جنوبی ہند اسلامک سوسائٹی (SOUTH INDIAN ISLAMIC SOCIETY) کا ہے۔ اس کے تحت یہ کام بہت بڑے پیمانہ پر کیا گیا ہے۔

رات کو ایک بجے کے بعد جماعت کے رفقاء کی واپسی ہوئی۔ اُن کے جانے کے بعد مولوی عبدالجمیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب کمرہ سے نکل کر باہر آئے اور تھوڑی دیر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت معذرت کی کہ جماعت کے لوگوں کی وجہ سے وہ انہیں زیادہ وقت نہ دے سکے۔ رات چونکہ خاصی گذر چکی تھی اس لئے مختصر گفتگو کے بعد یہ حضرات بھی رخصت ہو گئے اور ہم لوگ بستر پر دراز ہو گئے۔

مولوی عبدالجمیل صاحب باقوی کے متعلق میں بہت کچھ تحریر کر چکا ہوں۔ سیمابی کیفیت ہونے کی وجہ سے اُن کی زندگی کا ایک رُخ ایسا بھی ہے جسے میں

پہلے بیان کرنے سے کچھ جھجکتا رہا۔ لیکن اب جبکہ رپورتاژ کی یہ تیسری قسط ختم ہو رہی ہے تو خیال آیا کہ لگے ہاتھوں کیوں نہ اس کو بھی بیان کر ہی دیا جائے تو لیجئے حضرات سماعت فرمائیے!

مولوی صاحب کو آٹوگراف لینے کا بہت شوق ہے۔ ہر وقت جیب میں چھوٹی سی آٹوگراف بک رکھتے ہیں۔ ہر نئے شخص کو یہ آٹوگراف بک ضرور دکھاتے ہیں تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ مولوی صاحب کی "اُڑان" کہاں کہاں تک ہے ——— ڈاکٹر صاحب سے بھی انہوں نے آٹوگراف حاصل کئے ——— ہمیں بھی انہوں نے اپنی آٹوگراف بک ورق بہ ورق دکھانے کی "سعادت" حاصل کی ——— مسز اندرا گاندھی کا آٹوگراف دکھایا جو موصوف نے دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر موصوفہ سے حاصل کیا تھا ——— بلکہ بقول اُن کے موصوف نے دہلی میں اُن سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی اور آٹوگراف کے ساتھ موصوفہ کے دفتر اور گھر کے ٹیلی فون نمبر بھی نوٹ کرالئے۔ دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے بعد مولوی صاحب پاکستان تشریف لائے ——— اور بقول اُن کے بیگم نصرت بھٹو کے پاس "تعزیت" کیلئے تشریف لے گئے۔ اُن سے بھی آٹوگراف حاصل کر لیا ——— اب یہ بھٹو صاحب کا زمانہ تو تھا نہیں جنرل ضیاء الحق صاحب کا دَور تھا، بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کے بعد مولوی صاحب کے پیچھے سایہ کی طرح سی۔آئی۔ڈی۔ لگ گئی۔ لاڑکانہ "شریف" سے موصوف کراچی پہنچے۔ تو مولانا احتشام الحق صاحب مرحوم کے گھر گئے اور ان کے بیٹوں سے ملاقات کی اور تعزیت کی۔ واضح رہے کہ مولانا تھانوی مرحوم کا انتقال چند ہی ماہ قبل مدراس کے دورہ کے موقعہ پر ہو چکا تھا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مولانا تھانویؒ اور اُن کے گھرانہ کی ہمدردیاں پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں بلکہ مولانا تھانویؒ کے صاحبزادے مولانا احترام الحق تھانوی تو اس پارٹی کے ایک عہدیدار بھی ہیں اور اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے ہیں۔ ——— ظاہر ہے۔ سی۔آئی۔ڈی۔ نے یہاں بھی پیچھا کیا ہوگا ——— اب ایک مولوی صاحب کا انڈیا سے آنا، المرتضیٰ لاڑکانہ جا کر بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کرنا، پھر مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے گھر جانا اس سے شبہات کا پیدا ہونا فطری تھا ——— سی آئی۔ڈی والے سمجھتے رہے کہ "ہے مولوی خطرناک" اور

ہمارے مولوی صاحب اس ساری صورت حال سے بے خبر لوگوں سے ملاقاتیں کرتے رہے پرییئر ٹوبیکو انڈسٹریز کے جناب عبدالصمد صاحب کے بنگلہ پر بھی اُن سے ملاقات کو گئے - وہاں پر اپنی بیگم بھٹو اور مولانا تھانویؒ کے ہاں کی اور دیگر ملاقاتوں کا حال بتایا جیسے بہت بڑا معرکہ سر کر آئے ہوں —— عبدالصمد صاحب کا یہ سننا تھا کہ اُن کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور مولوی صاحب کو مختصر سی ملاقات کے بعد فارغ کر کے اُن سے جان چھڑائی اس لئے کہ مولوی عبدالجلیل صاحب اپنے سیدھے پن سے اپنے چاروں طرف جو جال بُن رہے تھے، عبدالصمد صاحب اگر اُس میں پھنس نہ جاتے تو بھی احتیاط کا تقاضہ تھا کہ اِن حالات میں اُن سے دُور رہا جاتا —— بزنس مین جسے اپنی تجارت چلانی ہوتی ہے وہ ویسے بھی سیاست سے دُور بھاگتا ہے - دل میں چاہے کسی کے ساتھ ہمدردی ہو عملاً اُسے ظاہر کرنے میں احتیاط ملحوظ رکھنی پڑتی ہے - کسی ایک پارٹی کے ساتھ اپنے آپ کو نتھی نہیں کرتا کہ مبادا اُس کا سنگھاسن ڈول جائے - تو مخالف پارٹی حکومت میں آکر اس کی اچھی طرح خبر نہ لے لے —— ایک تاجر کو ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے —— نہ کسی سے زیادہ محبت کرنا اچھا اور نہ کسی کی مخالفت مول لینا انسب — نہ تینوں میں نہ تیرہوں میں — بس اپنے کام سے کام ——

اب مولوی عبدالجلیل صاحب کے اِن کارناموں کا نقطۂ عروج بھی کلیجہ تھام کر سن ہی لیجئے - مولوی صاحب اس تمام صورت حال سے بے خبر کہ سلیئے اُن کا پیچھا کر رہے ہیں مختلف مقامات پر میل ملاقات کے بعد انڈیا واپس جانے کے لئے واگہ بارڈر پر پہنچے تو پیچھے ہی پیچھے اُن کی فائل بھی وہاں پہنچ گئی اور وہ وہاں پر دھر لئے گئے " —— اب تو مولوی صاحب کے ہوش اڑ گئے - اعمالنامہ فائل کی صورت میں سامنا تھا، منہ کے الفاظ اندر کے اندر اور باہر کے باہر رہ گئے —— لاہور میں اُن کے احباب کو پتہ چلا — بعد از کوشش بسیار موصوف کو رہائی نصیب ہوئی اور یہ جیسے تیسے واگہ بارڈر پار کر کے انڈیا کو " سدھارے" یہ سب کچھ مولوی صاحب کی طبیعت کی سادگی سے ہوا ؎

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا   لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک بار مولوی عبدالجمیل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو نصیحت فرمائی کہ وہ لاہور میں مولانا سیّد حامد میاں صاحب سے ضرور ملتے رہا کریں۔ اس سے پتہ چلا کہ مولوی صاحب مولانا حامد میاں صاحب سے بہت متاثر ہیں ۔ میں نے مولوی صاحب کو بتایا کہ علماء کے حلقہ میں مولانا حامد میاں صاحب ہی کی تو وہ ذات ہے جن کے ڈاکٹر صاحب بہت زیادہ عقیدت مند ہیں اور گاہے بگاہے اُن سے ملاقات کو جاتے رہتے ہیں اور لاہور کے حلقۂ علماء میں مولانا سیّد حامد میاں ہی تو ہیں جو ڈاکٹر صاحب سے نہایت شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں ۔ ہماری دعوت اور ہمارے کام کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں مناسب مشورے بھی دیتے رہتے ہیں ۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت منعقد شدہ سالانہ قرآن کانفرنسوں میں بذاتِ خود تو کبھی شرکت نہیں فرمائی لیکن ہر سال پابندی سے اپنا مقالہ ضرور بھیجتے رہے ہیں — مولوی صاحب یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب کی عظمت کے مزید قائل ہوگئے ۔

۲۰ ۔ جنوری بروز منگل

رات کو تاخیر سے سونے کے باوجود صبح چار بجے آنکھ کھل گئی ۔ دیکھا تو فجر کی اذان کے وقت مولانا سیّد شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب تشریف لے آئے ہیں — شاہ صاحب کی امامت میں گھر پر نماز فجر باجماعت ادا کی — ناشتہ کیا — انناس یہاں بافراط ہوتا ہے ۔ سیٹھ محمد امین صاحب ناشتہ اور کھانے کے وقت اکثر دسترخوان پر انناس ضرور رکھتے تھے جو ہم وہاں پر جی بھر کر کھاتے رہے — ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ عبدالصمد صاحب ، ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ، ملنگ محمد حیات صاحب اور کچھ دیگر احباب تشریف لے آئے ۔ کیونکہ ہمیں صبح سات بجے کی فلائٹ سے بمبئی روانہ ہونا تھا ۔ اس لئے جلد جلد سامان پیک کر کے ہم لوگ کاروں میں ایئرپورٹ پہنچے — جہاں بچشم تر احباب نے ہمیں رخصت کیا ، کچھ احباب براہ راست ایرپورٹ پہنچ چکے تھے احباب اس طرح ہمیں رخصت کر رہے تھے جیسے ہم اُن کے بہت ہی قریبی عزیز ہوں اور برسوں کی جان پہچان ہو ۔ یہ سب کچھ ایمان کے رشتہ کی وجہ سے تھا ۔ اور واقع یہ ہے کہ ایمان سے بڑھ کر رشتہ کوئی اور نہیں ہوتا جہاں خونی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں وہاں ایمان کا رشتہ قائم رہتا ہے — ہم لوگوں کی محبت

اللہ کے لئے ہے اللہ کے دین کی خاطر ہے، خدا گواہ ہے کہ اس میں کوئی دنیاوی طمع شامل نہیں — ایمان کا تقاضہ محبت ہے۔ جہاں ایمان ہوگا وہاں آپس میں محبت ہوگی —

سچ فرمایا رسول برحقؐ نے کہ :۔

"تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو" (مسلم)

اور اپنی محبت اور دشمنی کو اللہ کے لئے خاص کر لینے کو تکمیل ایمان کی شرط ٹھہرایا۔ حدیث ہے کہ :۔

"جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لئے اور دشمنی کی تو صرف اللہ کے لئے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے اور روکا تو اللہ کے لئے اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا"

ایک مومن کو اگر اللہ کی محبت مِل جائے تو اس کی اس دولت کا بدل اُس کو اور کیا مِل سکتا ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو ایک مومن کی معراج ہوتی ہے اور نبی اکرمؐ ہمیں بتاتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے تعلقاتِ اخوت قائم کریں وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

"میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہوگی جو میرے لئے آپس میں محبت کریں، میرے لئے ساتھ مِل کر بیٹھیں، میرے لئے ایک دوسرے پر مال خرچ کریں۔"

خدا کی رحمت ہو اللہ کے رسولؐ پر کہ جنہوں نے ہم تک اللہ کا یہ فرمان بھی پہنچایا کہ :۔

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن کہے گا کہ کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج کے دن انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج کے دن سوائے میرے سائے کے کوئی سایہ نہیں ہے" (مسلم)

اوران کے لئے وہ کیا ہی بلند درجات ہوں گے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے کہ :-

" جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں اُن کے لئے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے" (ترمذی)

تو اے مدراس کے باسیو! اے میرے بزرگو، اے میرے دوستو! اے میرے رفیقو، آج ہم تمہاری محبت کی عظمت کو سلام کرتے ہیں ـــــ اس اُمید کے ساتھ کہ اللہ کے دین کی خاطر ہماری یہ محبت نہ صرف قائم رہے گی بلکہ پروان چڑھتی رہے گی اور دائم رہے گی ـــــ اس لئے کہ زندگی صرف دنیا کی زندگی نہیں ہے ـــ موت کیا ہے۔ ایک دنیا سے آنکھ بند ہوتی ہے اور دوسری دنیا میں کُھل جاتی ہے کہ آگے چلیں گے دم لے کر ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

اور

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اے میرے مدراس کے ایمانی بھائیو ـــ ! جس طرح مجھے سورج کے مشرق سے طلوع ہونے اور مغرب میں غروب ہونے کا یقین ہے اُسی طرح یقین ہے کہ ہماری یہ محبت ـــــ جو خالصۃً للہ و فی اللہ ہے نہ صرف اس دنیا میں جاری رہے گی بلکہ اس کے بعد ابدی زندگی میں بھی جاری رہے گی اِن شاء اللہ ـــــ ! اللہ تعالیٰ ہمیں حق کا علم حاصل کرنے اس پر عمل کرنے، اسے دوسروں تک پہنچانے اور اسے غالب کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ! (جاری ہے)

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

★ تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	-/۶ روپے
★ مطالباتِ دین	-/۶ "
★ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	-/۱ "
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت	-/۲ "
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	-/۲ "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اُردو)	-/۴ "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	-/۴ "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	-/۵ "
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اوّل ⎫ یکجا	-/۸ "
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم ⎭	
★ قرآن اور امنِ عالم	۷۵/- "
★ راہِ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	-/۲ "
★ علامہ اقبال اور ہم	-/۲ "
★ عظمتِ صوم	-/۱ "
★ دعوت الی اللہ	-/۱ "
★ آیتُ الکرسی	۳۰/- "
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	-/۷ "
★ شہیدِ مظلوم (شہادتِ حضرت عثمانؓ)	-/۳ "

Regd. L. No. 7360

MONTHLY ,, MEESAQ ,, LAHORE

Vol. 30 October - November 1981 No. 10-11

نشر القرآن

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن حکیم اور مختلف دینی موضوعات پر مشتمل خطابات کے جدید حسب ذیل کیسٹ بھی دستیاب ہیں -

		روپے
و خلاصہ مضامین قرآن مجید (بموقع تراویح رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ)	۱۶ کیسٹ ۶۰ سی	۴۰۰/-
و کوڈ نمبر ۸۱ یوم استقلال (۱۴ اگست) پر خطاب	۶۰ سی (ایک کیسٹ)	۲۵/-
و کوڈ نمبر ۸۲ قرب الٰہی بذریعہ فرائض و نوافل (درس حدیث)	۶۰ سی (دو کیسٹ)	۵۰/-
و کوڈ نمبر ۸۴-۸۸ سورہ یٰس (مکمل)	۹۰ سی (پانچ کیسٹ)	۱۲۵/-
و کوڈ نمبر ۸۹ سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت	۶۰ سی (ایک کیسٹ)	۲۵/-
و کوڈ نمبر A سورہ الجمعہ (مکمل)	۹۰ سی 〃	۳۰/-
و کوڈ نمبر B سورہ الصف (مکمل)	۹۰ سی 〃	۳۰/-
و کوڈ نمبر C سورہ آل عمران آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵	۹۰ سی 〃	۳۰/-

سابقہ تیار شدہ کیسٹوں کی تفصیل اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

المعلن:- ناظم نشر القرآن کیسٹ سیریز، تنظیم اسلامی،
۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴ (فون نمبر ۸۵۲۶۱۱)